قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بیّنات

جلد: ۷۵ شمارہ: ۱۰

شوال المکرّم: ۱۴۳۳ھ - ستمبر: ۲۰۱۲ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زر سالانہ: ۳۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبدالرّزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

مجلس ادارت

مولانا محمّد اعجاز مصطفیٰ (مدیر معاون)

مولانا عطاء الرحمٰن صاحب (ناظم تعلیمات)

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ ''بینات'' پوسٹ بکس نمبر ۳۴۶۵، کراچی ۷۴۸۰۰

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: ۳۴۹۲۷۲۳۳

فون جامعہ: ۳۴۹۱۳۵۷۰_۳۴۱۲۱۱۵۲_۳۴۱۲۳۳۶۶

ایکسٹینشن: ۱۴۶_۱۴۷

فیکس: ۹۲-۲۱-۴۹۱۹۵۳۱

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ،

ناروے ویسٹ انڈیز وغیرہ: ۳۵ / امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان،

ایران، انڈیا وغیرہ: ۲۷ / امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: ۲۵ / امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی طابع: فیروز زکی

www.banuri.edu.pk

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

تعلیم وتربیت پر ماحول کے اثرات	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

اسلامی تاریخ کے سُنہری اوراق	۸	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
اسلامی اذکار و دعائیں......احکام وفضائل !	۱۵	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی
کوچنیل نامی کیڑے سے کشید کردہ رنگ کا حکم!	۲۶	مفتی شعیب عالم، استاذ جامعہ
میراث کے معاملہ میں کوتاہیاں اور ذمہ داریاں!	۳۶	مفتی عارف محمود، استاذ جامعہ فاروقیہ
علومِ شرعیہ کے حصول میں منطق کی حیثیت	۴۴	مولانا عزیز احمد، استاذ شاخ جامعہ
اقوالِ زریں امام غزالی رحمہ اللہ (۲)	۵۱	مولانا قاری محمد عطاء الرحمٰن اعوان
تصویر کی حرمت، قرآن وسنت کی روشنی میں (۲)	۵۴	جناب سخی داد خوستی صاحب

یادِ رفتگان

حضرت آپا جانؒ، زوجۂ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ	۵۶	قاری تنویر احمد شریفی

دار الافتاء

ا۔ کائی ایمس "SKYAIMS" کمپنی سے معاملات!	۶۳	مولانا عبدالحمید

تعلیم وتربیت پر ماحول کے اثرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

دین اسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جس نے اولاد، والدین، بڑوں، چھوٹوں، پڑوسیوں، مسلمانوں، حتیٰ کہ جانوروں تک کے حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں کے بارہ میں واضح تعلیمات اور ہدایات دی ہیں۔

اگر ایک مسلمان صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائے تو قلب وقالب دونوں کی اصلاح ہو جائے گی، آخرت سے پہلے اس کی دنیوی زندگی بھی جنت کا نمونہ ثابت ہوگی۔ اس کی جان، مال، عزت، آبرو ہر چیز محفوظ ہو جائے گی۔ اس کے دل کو سکون نصیب ہوگا۔ اس کا دماغ وسوسوں، توہمات اور دنیوی تفکرات سے راحت پائے گا۔ مخلوق خدا کی محبت اس کے دل میں جگہ پالے گی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر اس کو رحم آئے گا۔ مسلمانوں کی تکالیف، پریشانیوں اور ان پر مظالم سے اس کا دل دکھے گا۔ ان کی تکلیفوں، پریشانیوں اور مصائب وآلام کو دور کرنے کی ہر ممکن سعی کرے گا۔

لیکن ہائے افسوس! کہ مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کو چھوڑ دیا، مغرب کی بے خدا قوموں کی اندھی تقلید کو اپنا شعار بنالیا، جس کی نحوست سے آج کا مسلم معاشرہ گناہ ومعصیت، فسق وفجور، بے حیائی وبے حجابی، حیوانیت وبہیمیت کے گرداب میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ آج کا مسلمان نفس پرستی، تعیش پسندی، اور خواہش براری کے لئے اسلامی حدود کو پامال کر رہا ہے۔ اخلاق وآداب، تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت اور سیاست ومعاشرت جیسے شعبوں میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور پیروی کو چھوڑ کر بے دین، بے ہدایت اور بے خدا قوموں کی نقالی کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار اور ان کے طور طریقوں اور عادات واطوار کے اپنانے کو اپنے لئے اعزاز سمجھ رہا ہے۔

خودغرض اور خود پسند مسلمانوں کی اکثریت کے دل میں اللہ کا خوف ہے، نہ آخرت کا ڈر ہے۔ نہ جنت کی تمنا اور طلب ہے، نہ اس کی جستجو اور کوشش ہے۔ ہر طرف ظلم وقساوت کا دور دورہ ہے۔ یہود ونصاریٰ کی تقلید وپیروی اور تہذیب وتمدن کا غلبہ مسلمانوں پر مسلط ہو چکا ہے۔ اور بالکل وہی صورت حال ہے جس کی نشاندہی نبی مکرم، فخرِ مجسم، ہادیِ امم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا چودہ سو سال پہلے فرمادی تھی کہ:

''لَتَتَّبِعُنَّ سنَنَ من كان قبلكم شبراً بشبر وذراعا بذراع حتى لودخلوا جُحْرَ ضب تَبِعْتُمُوْهم، قيل يارسول الله! اليهود والنصارىٰ؟ قال: فَمَنْ؟!''۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ،ص:۴۵۸)

ترجمہ: ''تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ہو بہو پیروی کروگے، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی اگر گوہ کے بل میں داخل ہوگا تو تم بھی ہوگے۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یہود ونصاریٰ (مراد ہیں)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھراور کون (مراد ہوسکتا ہے)؟''۔

اسلام نے تعلیم دی ہے کہ ایک مسلمان کی جب اولاد ہوتو اس کا اچھے سے اچھا نام رکھے۔ تعلیم وتادیب کے قابل ہوتو اسے بہتر سے بہتر تعلیم اور اسے اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرے۔شادی کے قابل ہوتو ایسے خاندان میں اس کا رشتہ تجویز کرے جو دینی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے فائق ہو۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱:.....**''من ابتُلِيَ من هذه البنات بشئی فأحسنَ إليهن كُنَّ له سترا من النار''۔** (متفق علیہ، مشکوٰۃ،ص:۴۲۱)

ترجمہ: ''تم میں سے جس کی ان لڑکیوں سے آزمائش کی جائے اور وہ ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے تو وہ لڑکیاں اس کے لئے آگ سے پردہ (بچاؤ کا ذریعہ) ہوں گی''۔

۲:.....**''عن أنسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة أنا وهو كذا وضم أصابعه''۔** (مشکوٰۃ،ص:۴۲۱)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو بچیوں کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ہوں گے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں ملالیں''۔

۳:......’’عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ......
مَنْ عال ثلاث بنات أو مثلهن من الأخوات فأدَّبَهُنَّ ورَحِمَهن حتی يُغنِيَهن اللّٰه أوجب اللّٰه له الجنة فقال رجل : يارسول اللّٰه ! أو اثنتين؟ قال أو اثنتين ......‘‘۔ (مشکوٰۃ،ص:۴۲۳)

ترجمہ:’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تین بیٹیوں یا ان کی طرح (یعنی تین) بہنوں کی پرورش کی، پھر انہیں ادب سکھایا اور ان پر شفقت کی، یہاں تک کہ اللہ اُنہیں (شادی، مال یا موت کے ذریعہ) غنی کردے تو ایسے آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کو واجب کردیا۔ ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! اگر دو ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بھی ہوں (یعنی تب بھی یہی بشارت ہے)‘‘۔

۴:......’’عن جابر بن سمرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : لَأنْ يُؤدِّبَ الرجلُ ولدَهُ خيرٌ له مِنْ أن يتصدق بصاع‘‘۔ (مشکوٰۃ،ص:۴۲۳)

ترجمہ:’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی اپنے بچہ کو ادب سکھائے، یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ ایک صاع صدقہ کرے‘‘۔

۵:......’’عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : إذا خطب إليكم مَنْ تَرضَون دينَهُ وخُلُقَهُ فزوِّجوه إن لاتفعلوه تكن فتنة فی الأرض وفساد عريض‘‘۔ (مشکوٰۃ،ص:۴۲۴)

ترجمہ:’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس ایسے لوگ رشتہ بھیجیں جن کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو ان کا نکاح کردو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بہت زیادہ فساد برپا ہوگا‘‘۔

اولاد کے جوان ہونے کے بعد ان کی شادی میں تاخیر نہ کریں، کیونکہ شادی میں تاخیر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں غلط راستہ اختیار کرنے کی تحریک پیدا کرتی ہے اور پھر اس کا گناہ و وبال اُن کے باپ پر ہوتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’من ولد ولداً فليحسن اسمهُ وأدبه فإذا بلغ فَلْيُزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثماً فإنما إثمه علىٰ أبيه‘‘۔

(شعب الایمان للبیہقیؒ، حدیث نمبر:۸۶۶۶، باب فی حقوق الأولاد والأھلین)

ترجمہ: ''جس شخص کے یہاں بچہ پیدا ہو تو وہ اس کا اچھا سا نام رکھے، اس کی اچھی تربیت کرے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کردے، پس اگر بالغ ہونے کے بعد اس نے شادی نہیں کی اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا''۔

ہم نے ان تعلیمات کو چھوڑ کر اپنی اولاد کو صرف اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخل کرایا' جہاں لارڈ میکالے کا نصاب پڑھایا جاتا ہے، جہاں اسلامی عقائد پر کاری ضرب لگائی جاتی ہے، جہاں دین سے نفرت وبیزاری اور اسلام کی ہر بات میں تشکیک وتذبذب کا درس دیا جاتا ہے۔ ان تعلیم گاہوں میں مسلم نوجوانوں اور خواتین کی صورت وسیرت، وضع وقطع، اخلاق و معاشرت، تہذیب وثقافت کے تمام زاویے ہی بدل کر رکھ دیئے گئے اور مادیت کا اتنا درس دیا گیا کہ آج کا نوجوان اپنے ملک کے بجائے اغیار کے ممالک میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے اور ایک مسلمان کے لئے اس وقت مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، جب اس کی اولاد جوان ہو جاتی ہے اور وہ اس تہذیب میں ڈھلنے لگتی ہے جس کو اس کے والدین نے پسند کیا تھا۔ اب ایسا مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ میں نے یہاں آکر دنیا تو کمالی، لیکن اپنی اولاد کی عزت وناموس اور شرم وحیا کو داؤ پر لگا دیا۔ ایسے ہی ایک عبرت ناک واقعہ کی خبر ''روزنامہ امت'' میں بایں الفاظ چھپی ہے:

''لندن (امت نیوز) برطانوی عدالت نے پاکستانی نژاد جوڑے کو اپنی ۱۷ سالہ بیٹی کے قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا سنادی ہے۔ اُنہیں کم از کم ۲۵ برس جیل میں قید کاٹنی پڑے گی۔ ٹیکسی ڈرائیور ۵۲ سالہ افتخار احمد اور اس کی اہلیہ ۴۹ سالہ فرزانہ نے غیرت کے نام پر اپنی ۱۷ سالہ بیٹی شفیلہ کو قتل کر دیا تھا۔ برطانوی پولیس کے مطابق شفیلہ کو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۳ء کو اس کے والدین نے قتل کر دیا تھا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی بیٹی مغرب زدہ ہوگئی ہے اور خاندان کے لئے شرم کا باعث بن رہی ہے۔ مقتولہ نے والد کی خواہش پر شادی سے بھی انکار کر دیا تھا۔ چیسٹر کراؤن کورٹ کے جج جسٹس روڈرک ایونز نے سزا سناتے ہوئے کہا کہ ماں باپ کی جانب سے اپنی بیٹی کو قتل کرنے کی وجہ صرف ''کمیونٹی'' ہے، جس میں وہ اپنے آپ کو شرمندہ محسوس کرتے تھے۔ فیصلہ سنائے جانے کے موقع پر ملزم جوڑے کے بیٹے جنید اور بیٹی مہوش بھی عدالت میں موجود تھے جو رونے لگے، جبکہ سزا پانے والی ان کی والدہ فرزانہ بھی کچھ لمحے سکتے میں رہنے کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ واضح رہے کہ مقتولہ شفیلہ کی لاش ٹکڑوں میں

اس کے گھر کے قریب دریا کے کنارے سے ملی تھی۔ اپنے ماں باپ کے خلاف گواہی بھی اس بدقسمت جوڑے کی دوسری بیٹی ۲۴ سالہ علینا نے دی تھی''۔

ترقی دنیا اور مال و دولت کی طمع اور لالچ میں اس جوڑے نے اپنے دیس، ملک، خاندان اور اقرباء کو چھوڑا، ایک بیٹی کا غیر شرعی اور غیر اخلاقی حرکات کی بنا پر قتل ناحق کا ارتکاب کیا، دوسری بیٹی کو اپنا باغی بنایا، چھوٹے بچوں کو لاوارث اور بے سہارا کیا اور دونوں میاں بیوی کو کردہ گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے قید ہونا پڑا۔ یہ ہے نتیجہ دیارِ غیر میں رہنے کا اور یہ انجام ہے اولاد کی دینی تعلیم وتربیت سے غفلت برتنے کا۔ اسی کو قرآن میں ''خسر الدنیا والآخرة'' کہا گیا ہے۔

نیک اولاد دین ودنیا کا بہترین سرمایہ اور آخرت کا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ اگر ان کی تعلیم وتربیت سے غفلت برتی گئی یا ان کی پرورش غلط بنیادوں پر کی گئی تو ایسی اولاد نہ صرف یہ کہ والدین کے لئے تباہی وبربادی کا سبب بنے گی، بلکہ ملک وقوم اور دین ومذہب کو بھی رسوا کرے گی۔ اس لئے شریعت مقدسہ نے اولاد کی اخلاقی، مذہبی، دینی، ہمہ قسم کی تعلیم وتربیت کا صحیح اور اعلیٰ انتظام کرنا ماں باپ کی ذمہ داری قرار دیا ہے اور ہر صاحب خانہ پر اپنی اولاد کی دینی تربیت اور اچھے اخلاق سکھانے کا فرض عائد کیا ہے، اس لئے کہ بچپن میں جس قسم کی تربیت ہوجاتی ہے، بڑا ہوکر آدمی اسی پر قائم رہتا ہے اور جو شخص جس روش اور عادت پر جوان ہوتا ہے، اسی روش اور عادت پر بڑھاپے تک قائم رہتا ہے۔ اگر اولاد کو بچپن میں ہی غلط ماحول، غلط سوسائٹی اور غلط راستہ پر ڈال دیا گیا تو جوان ہوکر بھی وہ اُسی غلط راستہ اور غلط روش کا انتخاب کرے گی۔ اب اس کو راہ راست پر لانا نہایت کوشش کے باوجود دشوار ہوگا اور سوائے تباہی وبربادی کے ان سے کسی خیر کی توقع اور امید رکھنا عبث ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی اچھی تربیت کو بہترین عطیۂ الٰہی فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان کو بالعموم اور دیارِ غیر میں رہنے والے مسلم حضرات بالخصوص نوجوان بچوں کو صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول فراہم کریں۔ اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ اور قریب تر کرنے کے لئے حد درجہ محنت اور کوشش کریں۔ سیرتِ نبوی، اسلامی تاریخ، صحابہ کرامؓ کے واقعات، بزرگانِ دین کے قصے اور مفید ناصحانہ ملفوظات پر مشتمل کتب کا خود بھی مطالعہ کریں اور بچوں کو بھی ایسی کتب پڑھنے کی ترغیب اور تدبیر کریں۔ ان شاء اللہ! جس اولاد کی تربیت اس انداز پر ہوگی تو وہ اولاد والدین کی زندگی میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مرنے کے بعد ان کی حسنات میں اضافے کا سبب بنے گی۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعین

اسلامی تاریخ کے سُنہری اوراق

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری ؒ

اسلام جس کامل ترین شکل میں اُمتِ محمدیہ کے سامنے آج موجود ہے، یہ بڑی کٹھن منزلیں طے کرکے یہاں پہنچا ہے اور دین اسلام کا یہ خوب صورت باغیچہ جس شان میں آج موجود ہے اور جس طرح یہ عالم اسلام پر سایہ فگن ہورہا ہے اور اس کے شیریں پھلوں اور پھولوں سے اُمت لذت اندوز ہورہی ہے اور اس کی روح پرور خوشبوؤں سے قلب ودماغ کو سکون نصیب ہورہا ہے، یہ شہداء احد اور شہداء بدر کے پاکیزہ اور مقدس خونوں سے سینچ سینچ کر- سرسبز وشاداب کیا گیا ہے، اس کے پیچھے امت محمدیہ کے جان نثاروں کی عظیم الشان تاریخ ہے۔ گھر بیٹھے بٹھائے یہ نعمت ہمیں اور آپ کو آسانی سے میسر آگئی ہے، ہمیں اس کی کیا قدر ہوسکتی ہے؟! اس کی قدر وقیمت تو صدیقؓ وفاروقؓ، عثمانؓ وعلیؓ، طلحہؓ وزبیرؓ، سید الشہداء حمزہؓ، جعفر طیارؓ، ابن رواحہؓ وخالد ابن الولیدؓ (رضی اللہ عنہم) سے پوچھئے۔ اس کی داستانیں ابوعبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ سے سنئے۔ خبابؓ وضبیبؓ، بلالؓ وعمارؓ، سلمانؓ وابوفکیہہؓ کی المناک زبانوں سے معلوم کیجئے۔

آیئے! آپ بھی اسلام کی تاریخ کے سُنہری اوراق کی کچھ ورق گردانی کیجئے اور فاتحین اسلام کے عظیم الشان واقعات اور کارنامے پڑھئے، شاید کچھ اسلام کی قدر وقیمت کا احساس ہوجائے۔ کہنا یہ ہے کہ یہ نعمت بڑی مشکلوں سے ہم تک پہنچی ہے، لیکن افسوس! آج امت اس کی حفاظت کے فریضہ سے قطعاً قاصر، بلکہ غافل نظر آرہی ہے۔

اور زیادہ گہرائی میں جایئے تو اس دین الٰہی کی تاریخ اس سے بھی زیادہ قدیم نظر آتی ہے۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام نے اس دین اسلام کی خشتِ اول رکھی ہے، ان کے بعد آنے والے حضرات انبیاء کرامؑ ورسولان عظامؑ پر کیا گذری ہے؟ اس کا کچھ اندازہ حضرت رسالت پناہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوسکتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں امت کے سامنے ہے:

”الأنبياء أشد الناس بلاءً ثم الأمثل فالأمثل“۔

ترجمہ:۔ ’’سب سے زیادہ تکلیفیں انبیاء کرام علیہم السلام کو اٹھانی پڑتی ہیں، پھر جو ان کے جتنا زیادہ قریب ومماثل ہو اس کو‘‘۔

یعنی یہ ’’دین اسلام‘‘ ان تمام ادیانِ الٰہیہ سماویہ کی آخری کڑی ہے جو جامع ترین، کامل ترین شکل وصورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے کس کس طرح اس چمن کی آبیاری فرمائی ہے، پھر محدثین کرامؒ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے انفاسِ قدسیہ اور احادیث نبویہ کی کس شان سے حفاظت فرمائی ہے اور کیا کیا محنتیں اس سلسلہ میں کی ہیں، ایک ایک حدیث کے سننے اور محفوظ کرنے کے لئے کیسے کیسے طویل وشاق سفر کئے ہیں اور پھر اعداء اسلام کی سازشوں اور تحریفات وتلبیسات سے کس طرح بچا بچا کر امت کے سامنے یہ امانت پہنچائی ہے، حتی کہ اس کی حفاظت وصیانت کے لئے تقریباً ایک سو علوم ایجاد کئے۔ الغرض اس امانت الٰہی کو ان حضرات نے کس طرح سینوں سے لگایا اور کس طرح تصنیفی سفینوں (کتابوں) میں امت تک پہنچایا؟ یہ اسلامی تاریخ کا زریں دور ہے۔ بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداوٴدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ، وغیرہ، وغیرہ تو اس گلستان کے چند پھول ہیں اور اسی بوستان کے چند باثمر پودے ہیں، جن کے ثمرات سے آج امت فائدہ اٹھارہی ہے۔ پھر اللہ جل مجدہ نے اس امانت الٰہی کے حِکَم ومصالح کو سمجھنے سمجھانے کے لئے اور اس کی روح کو محکم بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے حضرات فقہاء کرامؒ کو پیدا فرمایا ہے، کہیں علقمہؒ واسودؒ وشعبہؒ وابراہیم نخعیؒ ہیں، کہیں قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ وسلیمان بن یسارؒ وعروۃ بن الزبیرؒ وسعید بن المسیبؒ ہیں، کہیں عطاء بن ابی رباحؒ ہیں، کہیں ابن سیرینؒ وحسن بصریؒ ہیں، کہاں تک گنوائیں۔ مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، شام، مصر، وغیرہ بلادِ اسلامیہ کے فقہاء تابعینؒ کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس اُمت مرحومہ کے ان نفوسِ طیبہ کی جن کو صحابہؓ وتابعینؒ ومحدثین نے یہ امانت الٰہیہ سپرد کی ہے، پھر جو صحیح معنی میں ان اکابرِ امت کے علوم کے وارث بنے ہیں، ان کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ شام میں امام عبدالرحمٰن اوزاعیؒ، مصر میں یزید بن ابی حبیبؒ ولیث بن سعدؒ، کوفہ میں سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ، مدینہ میں امام مالک بن انسؒ اور ان کے شیخ ربیعہؒ وغیرہ وفقہاء سبعہؒ ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہ امانت محمد بن ادریس شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کو سپرد ہوئی، جن کے آراء وافکار واقوال اُمت کے سامنے مرتب ومحفوظ اور مدوّن ہوکر پہنچے اور آج تک ان کے بتلائے ہوئے طریقوں اور مسلکوں پر امت عمل پیرا ہے۔ ان میں جن کو زیادہ قبول نصیب ہوا، بلکہ حدیث نبوی کی تعبیر کے مطابق ’’**ثم وضع له القبول فی الأرض**‘‘ کے مصداق بنے، وہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اتفاق سے اس سرزمین میں پیدا ہوئے جہاں علوم نبوت کا سب سے

زیادہ ذخیرہ پہنچا، چنانچہ خلافت فاروقیؓ کے عہد میں جب اسلام مشرق ومغرب میں پھیل گیا اور عراق میں کوفہ ایک مستقل اسلامی بستی بسائی گئی اور اُس کو مرکزیت حاصل ہوگئی تو سب سے زیادہ صحابہ کرامؓ اس سرزمین میں منتقل اور آباد ہوئے، بلکہ کوفہ صحابہ کرامؓ کا فوجی ہیڈکوارٹر بن گیا۔ حروبِ قادسیہ میں یعنی ایران کی لڑائیوں میں آٹھ ہزار صحابہ کرامؓ بتصریحِ مورخ ابن جریر طبریؒ شہید ہوئے ہیں، وہ سب کے سب اسی سرزمین میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔ کوفہ میں ایک علاقہ قرشیا کا تھا، جس میں بتصریح شیخ ابن ہمامؒ چھ سو صحابہ کرامؓ سکونت پذیر تھے۔ اسلام کے اس عالمی مرکز کے لئے حضرت عمر فاروقؓ نے تمام فقہاء صحابہؓ میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو منتخب کر کے بھیجا تھا، جن کے بارے میں حسبِ روایتِ طبقات ابن سعدؒ، فاروق اعظمؓ کے یہ کلمات طیبہ انتہائی اہمیت رکھتے ہیں: ''آثرتكم به يا أهل القادسية ''۔...''اے مجاہدینِ قادسیہ! تم کو وہ شخص دے رہا ہوں جس کا میں خود محتاج ہوں''۔

عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس سرزمین میں کچھ ہی عرصہ میں ایک ایسی عظیم جماعت تیار کردی، جس کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: ''أصحاب عبد الله سرج هذه القرية''۔...''حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اس شہر کے مشعل و چراغ ہیں''۔

جس وقت حضرت علیؓ کوفہ تشریف لے گئے ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ تو وفات پا چکے تھے، لیکن حضرت علیؓ کے استقبال کے لئے ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ چار ہزار کی تعداد میں پہنچے تھے، جس کا ذکر امام سرخسیؒ نے مبسوط کی سولہویں جلد میں کیا ہے، حضرت علیؓ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا: ''رحم الله ابن أم عبد قد ملأ هذه القريةَ علماوفقها ''۔...''حضرت ابن ام عبدؓ یعنی ابن مسعودؓ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جنہوں نے اس شہر کو علم (حدیث) اور فقہ سے بھر دیا ہے''۔ حضرت علیؓ کی اس قابل قدر اور سزاوارِ افتخار شہادت پر غور کیجئے۔

بہرحال خلافتِ فاروق اعظمؓ کے بعد اسلامی ملکوں میں صحابہ کرامؓ کی کثرتِ تعداد کے اعتبار سے دنیا کا کوئی ملک بھی کوفہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر صحابیؓ حدیث اور علم دین کا ایک سرچشمہ تھا، اس لحاظ سے جہاں جتنے زیادہ صحابہؓ پہنچے، وہاں اُسی قدر زیادہ حدیث پہنچی اور جہاں جتنے زیادہ فقہاء صحابہؓ اور کبار صحابہؓ پہنچے، وہاں اُسی قدر زیادہ علوم نبوت کے چشمے جاری ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ عہد بنی امیہ اور پھر عہد بنی عباس میں جس کثرت سے محدثین کوفہ میں موجود تھے، کوئی ملک بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ محدث عجلی کا بیان ہے کہ: ''کوفہ میں ایک ہزار پانچ سو صحابہؓ سکونت پذیر تھے، جن میں ستر صحابہؓ بدریین تھے''۔ یہ تو ان صحابہؓ کی تعداد ہے جو کہ کوفہ کے مستقل باشندے تھے اور جو صحابہؓ دینی اور ملکی ضرورت کے تحت کوفہ تشریف لائے اور کچھ عرصہ

عارضی طور پر قیام فرمایا ہے ان کی تعداد کا تو اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان سب کی علمی اور دینی وراثت اہل عراق کو ہی منتقل ہوئی ہے، خصوصاً جب کوفہ حضرت علیؓ کے عہد میں مرکز اسلام ومرکز خلافت بھی بن گیا تھا، اسی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے علوم کے حاملین اور تلامذہ کوفہ ہی میں زیادہ رہے ہیں۔ پھر باقاعدہ طور پر حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ودرایت اور ان کی فقہ کو پورے طور پر محفوظ کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ ہی تھے اور پھر تلامذہ کے تلامذہ تھے، چنانچہ محمد بن جریر طبریؒ مفسر ومؤرخ فرماتے ہیں:

''لم یکن أحد له أصحاب معروفون حرروا فتیاه ومذاهبَه فی الفقه غیرُ ابن مسعودؓ، وکان یترک مذهبَهُ وقولَهُ لقول عمرؓ، وکان لایخالفهُ فی شیئ من مذاهبه ویرجع من قوله إلی قوله اھ''۔

ترجمہ:۔ ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ کوئی صحابیؓ ایسا نہیں جس کے تلامذہ نے باقاعدہ طور پر اس کے اقوال وفتاویٰ ومذہب کو مدون ومرتب کیا ہو اور حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے قول کی بنا پر اپنے قول کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کے مسلک کی کسی چیز میں بھی مخالفت نہیں کرتے تھے اور اپنے قول سے عمرؓ کے قول کی طرف رجوع کرلیا کرتے تھے''۔

مسروق بن الاجدعؒ جو کبار تابعینؒ کوفہ میں شمار ہوتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے صحابہ کرامؓ کو قریب سے قریب تر ہوکر دیکھا ہے اور ان کی صحبت حاصل کی ہے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تمام صحابہ کرامؓ کے مختلف علوم چھ صحابہ کرامؓ میں سمٹ آئے ہیں۔ عمر فاروقؓ، علی مرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، پھر ان چھ حضرات کے علوم کو میں نے دو صحابہ کرامؓ میں مجتمع پایا ہے: حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور اس میں شک نہیں کہ ان دونوں حضرات کے علوم کے وارث کوفہ والے ہی تھے''۔

بہر حال صحابہ کرامؓ کے علوم کے وارث تابعینؒ بنے اور تابعینؒ کے علوم حدیث وفقہ کے وارث وہ ائمۂ اجتہاد ہوئے جن کے تفقہ اور مذاہب پر امت کی دینداری کا دارومدار رہا ہے۔ ان ائمۂ مجتہدین کے دور میں جو امام سب سے زیادہ ممتاز تھے، وہ سفیان ثوریؒ، محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیؒ اور ابوحنیفہؒ ہیں۔ پھر ان سب میں تفقہ واجتہاد کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ سب سے زیادہ ممتاز اور مقبول ہوئے اور حق تعالیٰ نے ان سے وہ خدمت لی کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے کمالات وخصوصیات ہمارا موضوع بحث نہیں، نہ ان کے کمالات کی تفصیل کی یہاں گنجائش ہے: ''فی طلعة الشمس ما یغنیک عن زحل'' یعنی آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد زحل ستارے کی

روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ حضرات محدثین اور فقہاء مجتہدین میں سے جو مشائخ ابوحنیفہؒ کو میسر آئے، کسی اور امام کو میسر نہیں آئے۔ پھر فطرتاً جو دقّتِ نظر، تو قُّدِ فکر اور ذکاء کا حصۂ وافر ابوحنیفہؒ کو ملا ہے، اس میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔ پھر صبر و استقامت اور خیر خواہی کا جذبہ، فیض رسانی کی حرص اس قدر کہ عقل حیران ہے۔ غرض حق تعالیٰ نے ابوحنیفہؒ کو وہ فطری ملکات عطا فرمائے، جن کی نظیر اُن کے معاصرین میں کہیں نہیں ملتی۔ اُن کے مذہب کی سب سے بڑی قابل قدر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد تاریخ اسلام میں ابوحنیفہؒ پہلے امام دین ہیں، جس نے ''فقہی شورائی'' نظام قائم کیا تھا اور چالیس فقہاء ومحدثین وائمہ کرام اس شوریٰ کے ارکان تھے، ان میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

امام ابو یوسفؒ، زفرؒ، داؤد طائیؒ، اسد بن عمروؒ، یوسف بن خالد سمتیؒ، یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہؒ، عافیۃ ازدیؒ، حمزۃ زیاتؒ، حبان بن مندلؒ، فضیل بن عیاضؒ، وغیرہ، وغیرہ۔

یہ چالیس ارکان کی جماعت مسائل فقہیہ میں کما حقہ غور وخوض کے بعد مسائل متفقہ طور پر طے کرتی تھی، کبھی کبھی ہفتوں بحث وتمحیص میں لگ جاتے تھے۔ ابن ابی العوام سعدیؒ اپنی کتاب ''اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ'' میں لکھتے ہیں: ''كان أصحابُ أبي حنيفة الذين دوّنوا معه الكتبَ أربعين رجلاً كبراء الكبراء ''۔...... ''امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو مرتب کرنے والے چالیس حضرات ایسے تھے کہ جو اکابر کے اکابر تھے۔ موفق مکیؒ مناقب ابوحنیفہؒ میں لکھتے ہیں:

> **''وضع أبو حنيفةؒ مذهبه شورى بينهم لم يستبد فيه بنفسه دونهم، اجتهاداً منه في الدين ومبالغةً في النصيحة لله ورسوله والمؤمنين ، فكان يلقى المسائل مسألة مسألة ويسمع ما عندهم ويقول ما عنده ويناظرهم شهراً أو أكثر، حتى يستقر أحدُ الأقوال فيها ، ثم يثبتها أبو يوسفؒ في الأصول ، حتى أثبت الأصولَ كلَّها، وهذا يكون أولىٰ وأصوب، وإلى الحق أقرب والقلوب إليه أسكن وبه أطيب من مذهب من انفرد، فوضع مذهبه بنفسه ويرجع فيه إلى رأيه. اھ''۔**
>
> ترجمہ:۔ ''امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مذہب کی بنیاد ان چالیس ارکان کے مشورہ اور اتفاقِ رائے پر رکھی تھی، ان کی آراء کو نظر انداز کر کے اپنی شخصی رائے کو کبھی بھی مدار نہیں بنایا۔ اس کا مقصد اپنی جانب سے دین کے معاملہ میں انتہائی جد وجہد کا اور اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کی خیر خواہی کا حق ادا کرنا تھا۔ ابوحنیفہؒ فقہی مسئلے ایک ایک کر کے اُن اراکین شوریٰ کے سامنے پیش کرتے، اُن کے دلائل سنتے، اپنے دلائل بیان کرتے، مہینہ مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ

عرصہ ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتے، یہاں تک کہ متفقہ فیصلہ ہو جاتا تو اس کے بعد کتب اصول میں درج کراتے۔ یہی سب سے بہتر، سب سے زیادہ درست اور حق سے سب سے زیادہ قریب طریق کار تھا، اسی سے دل مطمئن اور خوش ہو سکتے ہیں، بمقابلہ ایک شخصی مذہب کے جس کو ایک فرد اپنی شخصی رائے سے تجویز کرے اور اپنی رائے پر ہی اعتماد کرے اور اُسی کو مدار بنائے''۔

یہی وجہ ہے کہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ جیسے امام کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ: ''الناس کلهم فی الفقه عیال علی أبی حنیفة''.... تمام امت فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کی محتاج ہے...... !''۔

اور اسی وجہ سے ابن خلدونؒ جیسے محقق مؤرخ کو بھی جو خود مالکی المذہب تھے اور اندلس کے مسلّم عالم تھے، کہنا پڑا کہ: ''جو پختگی مذہب ابوحنیفہؒ کو حاصل ہوئی، مالکی مذہب کو حاصل نہ ہوسکی''۔ (تفصیل کے لئے مقدمہ ابن خلدون دیکھا جائے)۔

امام ابوحنیفہؒ نے جو شرعی مسائل واحکام امت کے لئے املاء کرکے لکھوائے تھے، ان کی تعداد کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ یہ مسائل واحکام بارہ لاکھ ستر ہزار سے بھی زائد تھے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو عالم اسلامی میں جو عروج وقبول نصیب ہوا ہے، تصور سے بالاتر ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ تمام امت میں ابوحنیفہؒ کی متابعت واقتداء کرنے والے دنیائے اسلام کے نصف سے زائد مسلمان ہیں۔ نصف اقل میں بقیہ تمام ائمہ کے متبعین شامل ہیں۔

انہی حقائق کے پیش نظر امام یحی بن سعید القطانؒ اور امام یحی بن معینؒ اور وکیع بن الجراحؒ، وغیرہ، وغیرہ کبار محدثین کے متعلق محققین علماءِ اسماء رجال کا بیان ہے کہ یہ ابوحنیفہؒ کا اتباع کرتے تھے۔ گویا اجتہاد ''مطلق'' کا منصب اتنا اونچا ہے اور اتنا دقیق وعمیق ہے کہ اتنے بڑے بڑے حضرات محدثین علماء بھی ابوحنیفہؒ کے اتباع سے بے نیاز نہ ہو سکے۔ بلاشبہ ان کا اتباع یا ان کی تقلید عام امت جیسی نہیں ہے کہ ہر ہر مسئلے میں امام کی تقلید کریں، بلکہ جو دقیق فقہی مسائل ایسے درپیش آتے تھے کہ یہ حضرات خود از روئے حدیث فیصلہ نہ کر سکتے تھے تو ان میں ابوحنیفہؒ کا مذہب اختیار کرتے تھے اور اسی پر فتوی دے دیا کرتے تھے۔ اسی بنیاد پر امام ترمذیؒ جیسے حضرات محدثین کو شافعی مذہب کا پابند بتلایا گیا ہے اور امام ابوداؤدؒ جیسے محدث کو امام احمد بن حنبلؒ کا متبع بتلایا گیا ہے۔

بہرحال حدیث ہو یا فقہ، دین کے الگ الگ شعبے ہیں:

ہر کسے را بہر کارے ساختند

''لکل فن رجال'' معروف قولہ ہے۔ اعمشؒ جو ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے شیخ تھے، ایک موقعہ پر ان سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، جواب سے عاجز آئے، ابوحنیفہؒ موجود تھے، عرض کیا:

''اجازت ہو تو جواب دوں؟'' فرمایا: ''جی ہاں!'' جب ابوحنیفہؒ نے اسی حدیث سے جواب دیا جو اعمشؒ کو بھی یاد تھی تو اعمشؒ کو اس پر حیرت ہوئی اور بے اختیار فرمانے لگے: ''**یا معشر الفقھاء نحن الصیادلة وأنتم الأطِبّاء**''۔...... ''اے فقہاء کی جماعت! ہم تو دوا ساز ہیں، طبیب تو تم ہو''۔

امام ابویوسفؒ کی موجودگی میں ایک دفعہ کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، پھر امام اعمشؒ جواب سے خاموش رہے تو ابویوسفؒ نے باجازتِ شیخ جواب دیا، فرمایا کہ: اے یعقوب! (امام ابو یوسفؒ کا نام ہے) تمہارے والدین نے نکاح بھی نہیں کیا تھا، اس وقت سے یہ حدیث مجھے معلوم تھی، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے''۔

ان واقعات کو حافظِ حدیث حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ نے جامع بیان العلم میں اپنی سند سے لکھا ہے اور اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں۔ عرصہ ہوا کہ: ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر میں راقم الحروف کا ایک طویل مقالہ اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے۔ اُس وقت قلم برداشتہ چند حروف لکھ دیئے تھے، شاید اہل انصاف نے قدر فرمائی ہو۔ باقی جن حضرات نے نہ ماننے کا عزم ہی کر لیا ہو، روئے سخن اُن کی طرف نہیں ہے۔ آج کل جہاں اور فتنے اس ملک کے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں، یہ بھی ایک فتنہ بن گیا ہے کہ ایک طرف ایک جماعت پوری جہالت کے ساتھ اتباعِ سنت کے خلاف کرتی ہے اور مذہبِ حنفی کی آڑ لیتی ہے اور اس طرح یہ مذہبِ حنفی کو بدنام کرتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے حضرات بھی موجود ہیں جو مقلدینِ ائمہ اور متبعینِ مجتہدین کو مشرکین سے کم نہیں سمجھتے اور ان کے خلاف لکھتے لکھتے امام ابوحنیفہؒ کے خلاف بھی اپنا زورِ قلم خرچ کر رہے ہیں۔ بڑی شدید خلیج درمیان میں حائل ہے۔ انصاف اور اخلاص کے فقدان سے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔ آج امت کفر و الحاد کے بحران میں مبتلا ہے، نئی نسل بے دینی و بداخلاقی کے گہرے گڑھے میں گر رہی ہے اور ہمیں ایک دوسرے پر لعن وطعن سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ آج کفر و اسلام کا مقابلہ ہے، اسلام اور کمیونزم کا مقابلہ ہے، اسلام اور سرمایہ داری کا مقابلہ ہے، تمام دین کے اقدار مسخ کئے جارہے ہیں، ماسکو اور واشنگٹن کے ساتھ، مہبطِ وحی البلد الامین مکہ مکرمہ اور مہبط جبرئیل امین مدینہ طیبہ کا موازنہ کیا جارہا ہے۔ ایک طرف سے دہریت والحاد کے ساتھ ساتھ جدید تہذیب وتمدن کا سیلاب آرہا ہے اور اسلامی اقدار کے مضبوط قلعوں کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے اور ہم تقلید اور عدم تقلید کے جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اَللّٰھم اھد قومی فإنھم لایعلمون.

اسلامی اذکار و دعائیں!

احکام وفضائل

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی
رئیس تخصص علوم حدیث، جامعہ بنوری ٹاؤن

روحانی زندگی کی بقا و اصلاح:

انسان کی روحانی زندگی کی بقاء و اصلاح کے لئے دو چیزوں کی اصلاح نہایت ضروری ہے: ۱:......صحتِ عقیدہ۔ ۲:......صحتِ عمل۔

انسان ان دونوں چیزوں کی اصلاح میں درماندہ و عاجز ہے، کیونکہ بُرے کاموں سے بچنا اور نیک کام کرنا اللہ تعالیٰ کی نصرت و ہدایت کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لئے شریعت نے تعوّذ اور بسم اللہ کی تعلیم دی ہے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنے کے لئے ادعیہ واذکار کا ایک مستقل نظام قائم کیا، جو روحانی ترقی کا نہایت مؤثر اور اہم ذریعہ ہے، جس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔

اسلامی عبادات کا مرکز ومحور ''ذکر اللہ'' ہے، اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے اہم رکن نماز ہے، قرآن نے اس کی غرض وغایت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''وَأَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ''۔ (طٰہٰ:۱۴) یعنی ''میری یاد کیلئے نماز پڑھا کرو''۔

اقامتِ صلوٰۃ کا مقصد یادِ الٰہی کو دل میں تازہ رکھنا ہے۔ اسی طرح اسلام کا اہم رکن حج ہے، اُس کا آغاز ہی تکبیر وتہلیل اور تسبیح وتحمید سے ہوتا ہے۔ طواف وعمرہ اذکار وادعیہ پر مشتمل ہے۔ حج کا اہم رکن قیامِ عرفات ہے، اس میں سارا زور اذکار وادعیہ پر دیا گیا ہے، اس کے لئے میدانِ عرفات میں نماز میں تقدم وتاخر کیا گیا ہے، جس سے اسلام میں اس کی اہمیت ظاہر وباہر ہے۔

قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کے الفاظ کو نقل کیا، اُن کے دعا مانگنے کے اسلوب اور طور طریقہ کو بیان کیا، دعا کے آداب کی طرف رہنمائی کی، نیز اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ دعا بنی نوعِ انسان کا ایک فطری عمل ہے جو آڑے وقت اور مشکلات میں پوری طرح جلوہ

گر ہوتا ہے۔ شریعت چاہتی ہے کہ یہ فطری عمل عیش وطیش، رنج وراحت، سود وزیاں، خوشی وناخوشی، نرمی وگرمی، تنگدستی وخوشحالی، عزت وذلت ہر حال میں جاری رہنا چاہئے۔

دعا اپنے خالق ومالک سے براہِ راست تعلق وقرب کا نہایت کامیاب اور سب سے زیادہ زود اثر اور نہایت مجرب عمل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں دعا مانگنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات جو مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے اور اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ ''دعا'' آپ ﷺ کی زندگی کا نہایت روشن باب ہے، آپ ﷺ کی ادعیۂ ماثورہ اصحابِ فکر ونظر وار بابِ صدق وصفا کا نظری وعملی دونوں اعتبار سے نہایت پسندیدہ موضوع رہی ہیں۔

مفسرین، محدثین، فقہاء ومتکلمین، صوفیہ وادباء، ائمہ لغت، مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اس موضوع سے اعتناء کیا۔ چنانچہ کسی نے رسالت مآب ﷺ کی دعاؤں کو اپنی سندوں سے جمع کیا، کسی نے ان کے مطالب ومعانی کی وضاحت کی اور موقع ومحل کو بیان کیا، کسی نے توبہ واستغفار پر کلامی نقطۂ نظر سے بحث کی، کسی نے مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق کی، کسی نے ان کی نحوی ترکیب سے اعتناء کیا، کسی نے اس امر پر روشنی ڈالی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کیا کیا دعائیں مانگیں، حج میں کس موقعہ پر کن الفاظ میں اللہ کے حضور التجا کی، نمازِ جنازہ وتشہد وتہجد میں کیا کیا دعائیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ جنگ وغزوات میں کس موقعہ پر کن الفاظ میں اپنے رب کو یاد کیا، خوشی کے موقعہ پر اپنے رب کو کن الفاظ میں پکارا اور مصیبت میں کن الفاظ سے التجاء کی۔ صوفیہ نے اپنے تجربات والہامات سے ان دعاؤں کو احزاب واوراد میں تقسیم کیا، جو احزاب واوراد کے نام سے معروف ومشہور ہیں۔ بعض نے ان کے خواص واثرات کو موضوعِ بحث بنایا، اور اس موضوع پر کتابیں تالیف کیں۔ کسی نے دعا کی حقیقت کو بتایا اور اس کی قبولیت کی شرائط پر روشنی ڈالی۔ اس طرح دعا کے گوناگوں پہلو زیرِ بحث آتے رہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ادعیہ واذکار کے نظام کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ کتبِ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جن الفاظ سے دعائیں اور اذکار حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں، وہ سب الہامی اور توقیفی ہیں۔ ان الفاظ سے مانگنا اجر وثواب کا موجب اور بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ محبوب ومقبول ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ نے ''تدریب الراوی'' میں تصریح کی ہے کہ دعائیں توقیفی (الہامی) ہیں:

''ألفاظ الأذكار توقيفية '' (ص: ۴۰۶)۔ ترجمہ: ''اذکار اور دعاؤں کے الفاظ الہامی ہیں (یعنی اُنہی الفاظ میں اُنہیں پڑھنا چاہئے)''۔

ذکر ودعا پر اطمینانِ قلب کا الٰہی وعدہ:

اس دور میں جہاں ہر طرف سامانِ عیش وطرب کی فراوانی ہے، خوش دلی وخوش حالی کا سامان بکثرت موجود اور بآسانی دستیاب ہے، زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی راہیں کشادہ ہیں، پھر بھی دنیا میں ہر جگہ معاشرہ گھٹن کا شکار ہے، اور اطمینانِ قلب کی دولت کا کہیں سراغ نہیں، اس کے حصول کے لئے اجتماعی اور انفرادی جو بھی کوشش ممکن ہے برابر جاری ہے، لیکن تمام کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ اسلام کے نظامِ اذکار وادعیہ سے بے رغبتی، غفلت ودوری ہے۔ دنیا میں غفلت ودوری کا یہ پردہ ہی وہ پردہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور یادِ الٰہی سے دور رکھتا ہے، دینِ حق قبول کرنے، دعوتِ حق کو سننے سے مانع ہے، اور آخرت میں انسان کو جہنم کا ایندھن بناتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"اَلَّذِیْنَ کَانَتْ أَعْیُنُھُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِيْ وَکَانُوْا لَایَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا". (الکہف:۱۰۱)

ترجمہ:۔ ''جن کی آنکھوں پر (دُنیا میں) میرے ذکر کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور جو سُننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے''۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد ہی وہ بنیاد ہے جس سے بندے کا رشتہ اللہ سے جڑتا اور قائم رہتا ہے، قرآن کہتا ہے:

"اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ أَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (سورۃ الرعد: ۲۸)

ترجمہ:۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں، اور جن کے دِل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے''۔

ذکر کے بھی درجات ہیں، جس درجہ کا ذکر ہوتا ہے، اُسی درجہ کا اطمینان ہوتا ہے، ذکر کی خاصیت ہی اطمینانِ قلبی ہے۔ جو ذکر اللہ سے جُڑتا اور استوار ہوتا ہے، اُس کا ہر لمحہ عبادت میں گزرتا اور وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ یہ اسلام کا ایسا نظریۂ حیات ہے، جس کی مثال عالم کے مذاہب میں ملنی مشکل ہے۔ اس نظام کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ بندہ کی زبان ہمہ وقت ذکر اللہ سے تر رہتی، دل اللہ کی یاد سے آباد اور قناعت وغنا کی دولت سے ہمیشہ سرشار رہتا ہے۔ سخت سے سخت گھڑی اور کٹھن سے کٹھن منزل پر جزع وفزع، گھبراہٹ اور بے چینی نہیں ہوتی، اس کا سکون و اطمینان برقرار رہتا ہے، اس لئے کہ اس کا دل اور زبان یادِ الٰہی سے معمور ہے۔ اذکار وادعیہ کا

اسلامی نظام اس نوع کی زندگی بناتا اور سنوارتا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر آن عبادت میں گزرتا اور وہ اطمینانِ قلب کی لذت سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔

عالمِ اسباب میں دُعا:

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہئے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے، یہاں ہر کام کسی وجہ سے ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر کام سلسلۂ اسباب کی ایک کڑی ہے، ہر ایک واقعہ کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، اِس کا انکار گویا قانونِ فطرت کا انکار ہے۔ البتہ اسباب کی پابندی سے کامیابی کا یقین نہیں ہوتا۔ اسباب بذاتہا اگر مؤثر ہوتے تو مطلوبہ نتیجہ ضرور حاصل ہوتا، ایسے ہی موقعہ پر انسان اپنے آپ کو عاجز پاکر مسبب الاسباب کی طرف لوٹتا اور اُسے پکارتا ہے، اور وہ اس کی مراد کو پورا کرتا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ کائنات کا سارا نظام اللہ کے علم وارادہ اور قدرت وحکمت کے ماتحت چل رہا ہے۔

دُعا ایک تدبیر وسبب ہے، اور سنت اللہ اس طرح جاری ہے کہ اسباب کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا، گو اس کی قدرتِ کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ کبھی وہ سبب کے بغیر بھی مراد بَر لاتا ہے، مگر ایسا بھی اس کی حکمت ومصلحت سے ہوتا ہے۔ سلسلۂ سبب ومسبَّب کا نام حکمت ہے۔

اُمتِ مسلمہ کا مذہب یہ ہے کہ ''دُعا''، ''توکل'' اور ''عمل صالح'' دنیاوآخرت کے مقاصد کے حاصل کرنے میں ایک سبب کی حیثیت رکھتے ہیں اور معاصی سے بچنے کا ذریعہ ہیں۔ جو حکم کسی سبب سے وابستہ ہوتا ہے، اس کے پورا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی شرائط کو پورا کیا جائے، اور موانع اور رکاوٹوں کو دور کیا جائے، پھر مسبَّب پایا جائے گا، ورنہ نہیں۔

نظامِ عبادت میں اذکار اور دعائیں:

اسلام میں ادعیہ واذکار کا نظامِ عبادت دوسری اسلامی عبادات کی طرح مخصوص شرائط، اوقات ومقامات کے ساتھ وابستہ اور خاص نہیں ہے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ میں وقت، مقام، ہیئت اور شرائط ضروری قرار دی گئی ہیں، اس طرح کی شرائط اذکار اور دعاؤں کے نظام میں لازمی اور ضروری نہیں۔ ابن ابی حاتمؒ، ابن المنذرؒ اور ابن جریرؒ نے بواسطۂ علی بن ابی طلحہ الہاشمیؒ المتوفی ۱۴۵ھ ترجمان القرآن حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی عبادت فرض نہیں کی، مگر اس کے لئے حد مقرر ومتعین کی ہے (یہ مقررہ حد وقت، مقام، ہیئت وشرائط سے عبارت ہے)، پھر حالتِ عذر میں انہیں مہلت دی ہے، سوائے ذکر ودعا کے کہ اللہ تعالیٰ

نے ذکرو دعا کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی جس پر وہ ختم ہوتی ہو، اور اُسے چھوڑ دینے میں کسی کو معذور قرار نہیں دیا، مگر اس کو جو اپنی عقل وفہم ہی کھو بیٹھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: ''اُذْکُرُوْا اللهَ قِیَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ'' کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرو۔ رات میں، دن میں، خشکی میں، سمندر میں، سفر میں، وطن میں، تنگدستی میں، تونگری میں، تندرستی میں، بیماری میں، چھپے اور کھلے، ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو، اس سے دُعا مانگو''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں دو قسم کی عبادات ہیں، ایک وہ عبادات ہیں جو خاص وقت، خاص مقام، خاص ہیئت اور خاص شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ دوسری وہ عبادات ہیں، جن میں اس نوع کی کوئی شرط وقید نہیں، یہ اذکار اور دعائیں وہ ہیں جن کا نفع عام وتام ہے۔

دُعا کے معنیٰ:

دُعا کے معنیٰ لُغت میں بُلانا، پکارنا، یاد کرنا ہیں، لیکن عرف اور شریعت میں اس سے خاص معنیٰ مُراد ہیں، علامہ سیّد مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدیؒ ''تاج العروس'' میں رقمطراز ہیں:

''الدعاء: الرغبة إلى الله فيما عنده من الخير، والابتهال إليه بالسؤال. ومنه قوله تعالى: ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً. إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ.'' (الأعراف:۷)

ترجمہ:۔'': دُعا کے معنیٰ: اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کچھ خیر اور بھلائی ہے اس کی خواہش ورغبت کرنا اور اس کے سامنے عاجزی ونیازمندی سے سوال کرنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اپنے پروردگار سے دُعا کرو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے، بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

دُعا میں مُراد کا حاصل ہونا بھی مطلوب ومقصود ہوتا ہے، اس لئے اس کے جواب میں اجابت کا لفظ آتا ہے کہ جس مقصد کے لئے درخواست کی گئی تھی وہ قبول ہوگئی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ''. (المؤمن:۶۰)

ترجمہ:''اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا''۔

حقیقتِ دُعا:

امام فخرالدین رازیؒ تفسیرِ کبیر، ج:۲، ص:۹۲۱ میں لکھتے ہیں:

''حقيقة الدعاء استدعاء العبد ربه جلّ جلاله العناية و استمداده إياه المعونة''.

ترجمہ:''دُعا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے مدد اور رحمت وعنایت کا طلبگار رہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے مفہوم میں بہت وسعت ہے، اپنے دینی و دنیوی مطالب، زبان سے، دل سے، یا حال سے پیش کرنا، تسبیح وتہلیل کرنا، یادِ الٰہی میں لگے رہنا بھی دعا کے مفہوم میں داخل ہے۔ اصل عبادت یہ ہے کہ بندہ کی ہر ادا سے یہ ظاہر ہوتا رہے کہ یہ بندہ ہے اور وہ رب ہے، یہ مخلوق ہے اور وہ خالق ہے، یہ محتاج ہے وہ غنی ہے، یہ عاجز ہے وہ قادر ہے، جو اس امر سے گریز کرتا ہے، وہ دُعا کو مؤثر نہیں سمجھتا اور نہ وہ اپنے آپ کو ''عبد'' اور ''رب الارباب'' کو ''رب'' مانتا ہے، اس کی سزا جہنّم ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ. إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ". (المؤمن:۵۹)

ترجمہ:۔'' اور تمہارے پروردگار نے کہاہے کہ: مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بناء پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہوکر جہنّم میں داخل ہوں گے''۔

حدیث میں آتا ہے: ''الدعاء هو العبادة''۔ (ق، ع) یعنی ''دعا اصلِ عبادت ہے''۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے: ''الدعاء مخ العبادة''۔ دُعا مغزِ عبادت ہے۔

اہل سنت (اشاعرہ وماتریدیہ) کا دعا کے متعلق عقیدہ:

دُعا کی اہمیت وافادیت کو اور اس حقیقت کو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیّت وارادہ میں آزاد ہے، تسلیم کرتے اور اس امر کے قائل ہیں کہ دُعا کو قبول کرنا اور اس کا رد کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ان کے یہاں نمازِ جنازہ کی حیثیت ایک دُعا کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجاء کی جاتی ہے اور مغفرت اُس کی رضا پر موقوف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ دُعا کی اہمیت وافادیت کو مانتے ہیں۔ انہی وجوہ سے وہ کسی جائز سبب کی وجہ سے بددُعا کی ضرر رسانی سے انکار نہیں کرتے، وہ اس امر کے قائل ہیں کہ مظلوم کی بددُعا قبول ہوتی ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

انفرادی واجتماعی دعا کی اقسام:

دعائیں بھی دوقسم کی ہیں: ۱:......انفرادی۔ ۲:......اجتماعی۔

انفرادی:

وہ دعائیں ہیں جن میں واحد متکلم کے صیغے اور ضمیریں استعمال کی گئی ہیں۔ ان کا تعلق فرد واحد کی اپنی اصلاح وفلاح، کامیابی وکامرانی، حاجت روائی وکاربرآری ومغفرت ومعافی سے ہے۔

اجتماعی:

وہ دعائیں ہیں جن میں جمع متکلم کے صیغے اور ضمیریں آتی ہیں، ان دعاؤں میں اجتماعی شان مضمر ہے، پوری امت اس میں شریک ہوتی ہے، اسلامی معاشرہ کے تمام افراد اس میں داخل ہیں۔

حیثیت کے اعتبار سے دعا کی چار قسمیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے دعا کی چار قسمیں بیان کی ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

''دعا کی چار قسمیں ہیں: اول: دعائے فرض، مثلاً نبی کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کے لئے ہلاکت کی دعا کرے، بس اسے یہ دعا کرنا فرض ہے۔ دوم: دعائے واجب، جیسے دعائے قنوت۔ سوم: دعائے سنت، جیسے بعد تشہد اور ادعیہ ماثورہ۔ چہارم: دعائے عبادت، جیسا کہ عارفین کرتے ہیں اور اس سے محض عبادت مقصود ہے، کیونکہ دعا میں تذلل (عجز وانکساری کا اظہار) ہے اور تذلل حق تعالیٰ کو محبوب ہے۔

نظامِ اذکار وادعیہ کی غایت:

نظامِ اذکار وادعیہ کی غایت یہ ہے کہ ''اللہ کا ذکر'' اللہ کی یاد اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے دل ودماغ میں ایسی رچ بس جائے کہ اس کی کوئی حرکت اللہ کی یاد سے خالی نہ ہو۔ وہ کام کرے گا ''بسم اللہ'' پڑھ کر کرے گا، ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرے گا، ہر کوتاہی اور قصور پر اس کے آگے معافی مانگے گا، حاجت کے وقت اس کے حضور میں ہاتھ پسارے گا، ہر مشکل میں اس کو پکارے گا، ہر مصیبت میں ''إنّا للہ'' کہے گا، کبریائی وعظمت کے موقعہ پر بے ساختہ اس کے منہ سے ''اللہ أکبر'' نکلے گا، ہر معاملہ میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے گا، کوئی بُری بات کان میں پڑے گی وہ ''معاذاللہ'' اور ''نعوذباللہ'' کہے گا، ہر نا مناسب بات پر ''لاحول ولاقوۃ إلّاباللہ'' کے الفاظ اس کی زبان پر جاری ہوجائیں گے، اٹھتے بیٹھتے ہر کام اور ہر بات پر ''الحمدللہ''، ''سبحان اللہ''، ''ماشاء اللہ''، ''إن شآء اللہ'' جیسے بابرکات کلمات اس کی زبان سے ادا ہوتے رہیں گے۔ یہ اللہ سے اس کی محبت وتعلق کا نہایت بیّن ثبوت ہوگا۔ ''ذکر اللہ'' کرنے والوں کی شان یہ ہے کہ دنیا کے معالات اور تجارت میں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی دل اُن کے کہیں اور ہی اَٹکے ہوتے ہیں، نہ ان سے فرائض کی ادائیگی میں غفلت ہوتی ہے اور نہ وہ ادائے حقوق میں سستی کرتے ہیں۔ ان کی زبان ''بارک اللہ!''، ''یرحمک اللہ''، ''یغفراللہ''، ''رحمۃ اللہ''، ''واللہ، باللہ، إلااللہ'' اور اردو میں ''اللہ کی رحمت ہو''، ''اللہ ہدایت دے''، ''اللہ برکت دے''، ''اللہ صحت دے''، ''اللہ رکھے''، ''اللہ عافیت دے''، ''اللہ خیریت سے پہنچائے''، ''اللہ توفیق دے''، ''اللہ خیر کرے''،

''اللہ بخشے''، ''اللہ رحم کرے''، ''اللہ معاف کرے''، ''اللہ کی پناہ'' وغیرہ جملوں سے تر رہتی ہے۔

صوفیہ کے اوراد واذکار:

صوفیہ کا طریقۂ سلوک، اوراد واذکار اور اشغال واعمال کا دستور العمل جو اصلاحِ اعمال واحوال کا کامیاب تجرباتی طریقۂ کار ہے، اس نظام کا ایک حصہ ہے، چنانچہ شاہ عبد العزیز دہلویؒ آیۂ شریفہ: ''وَاذْکُرِاسْمَ رَبِّکَ''. (المزمّل:۸) ۔''اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو''۔ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

> ترجمہ:۔''یعنی آپ اپنے پروردگار کا نام ہمیشہ یاد کرتے رہیں، ہر وقت اور ہر کام میں اور ہر عبادت کے ساتھ خواہ اس کے اثناء میں ہو، اور خواہ اس کے اول وآخر میں، خواہ زبان سے ہو، خواہ لطیفۂ قلب سے اور خواہ روح سے اور خواہ سری ہو، خواہ خفی اور خواہ اخفی، اور خواہ نفس سے ہو، خواہ دن میں ہو، خواہ رات میں، ذکرِ لسانی سراً ہو یا جہراً، اور چاہے پوشیدہ ہو، اور پروردگار کا نام خواہ اسمِ ذات ہو یا اسمِ اشارہ ''ھو'' سے ہو یا اسماءِ حُسنٰی میں سے کسی ایک نام سے ہو، جو نام سالک کی ذات اور اس کے حال اور وقت کے زیادہ مناسب ہو، پھر اسمِ ذات یا کلمہ طیبہ کے ضمن میں نفی واثبات کے ساتھ، خواہ ''سبحان اللہ''،''الحمد للہ''،''اللہ أکبر''اور''لاحول ولاقوۃ إلاباللہ'' کے ساتھ اور دوسرے مسنون اذکار کیساتھ ہو، اور خواہ کیفیتِ ذکر یک ضربی ہو خواہ دوضربی، یا اس سے بھی زیادہ، خواہ حبسِ نفس کے ساتھ ہو یا حبسِ دم کے بغیر، برزخ کے بغیر ہو یا برزخ کے ساتھ، خواہ سہ رکنی ہو یا ہفت رکنی، خواہ شرائطِ عشرہ کے ساتھ ہو (یعنی شد، مد، تحت، فوق، محاربہ، مراقبہ، محاسبہ، مواعظ، تعظیم اور حرمت) یا ان شرائط وغیرہ کے بغیر دوسری خصوصیات کے ساتھ ہو جو ماہرینِ اہلِ طریقت کی وضع واستنباط کی ہوئی ہیں۔قرآن کہتا ہے: ''اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔'' (الأنبیاء:۷)

دس کلماتِ اذکار کا تذکرہ جن کا ہر شریعت میں رواج ومعمول رہا:

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ایسے دس کلماتِ اذکار کے متعلق تفسیر ''فتح العزیز'' میں رقمطراز ہیں:

''دراین جا باید دانست کہ اذکارِ عشرہ کہ تسبیح وتحمید وتکبیر وتہلیل وتوحید وحوقل وحسبلہ

وبسملہ واستعانت وتبارک است، ودر ہر شریعت صیغ مختلفہ آنہا رائج ومعمول است''۔

ترجمہ:۔''یہاں اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ اذکارِ عشرہ (۱)'' سبحان اللہ'' کہنا (۲)''الحمد للہ '' کہنا (۳)''اللہ أکبر'' کہنا (۴) کلمہ ''لاإلہ إلااللہ'' پڑھنا (۵)''وحدہ لاشریک لہ'' کہنا (۶)''لاحول ولاقوۃ إلا باللہ'' کہنا (۷)''حسبنااللہ'' کہنا (۸) ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کہنا (۹) اللہ تعالیٰ سے استعانت مانگنا (۱۰) برکت مانگنا، مذکورہ بالا دس کلمات ہر شریعت میں مختلف الفاظ اور صیغوں کے ساتھ رائج اور قابلِ عمل ہیں''۔

دُعا مانگنے کا سادہ اور آسان طریقہ:

دُعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے، پھر رب العالمین کے حضور میں عرض مدعا کیا جائے، اس انداز سے جو دُعا کی جائے گی وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ (ابوبکر الجصاص، احکام القرآن: ۴۲/۱)

دعا نہایت عاجزی وانکساری سے کرنی اور خاموشی سے مانگنی چاہئے، اس طرح دکھاوے اور شہرت کا خطرہ نہیں رہتا۔ خاموشی سے دعا مانگنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ دعا میں خوف وطمع دونوں ہونی چاہئیں، قبولیت کی امید اور گناہوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے رد ہونے کا کھٹکا رہنا چاہئے۔ ناامیدی بھی کفر ہے، اور بے جا اعتماد اور گھمنڈ بھی اچھا نہیں۔

دعا اور تعوذ کی مثال:

ادعیہ وتعوذاتِ ماثورہ ہتھیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہتھیار کی قدر وقیمت چلانے والے سے ہوتی ہے، اس کی دھار سے نہیں، اس میں کامیابی کے لئے حسبِ ذیل تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱...... ہتھیار درست ہو۔ ۲...... چلانے والے کے ہاتھوں میں جان ہو، سوجھ بوجھ بھی اچھی ہو۔ ۳...... کسی قسم کی رکاوٹ بھی موجود نہ ہو، پھر نتیجہ صحیح نکلتا ہے۔ مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو نتیجہ صحیح نہیں نکلے گا۔ چنانچہ ضروری ہے کہ: ۱...... دعا کے الفاظ صحیح یاد ہوں۔ ۲...... دعا مانگنے والے کے دل وزبان میں موافقت ہو، جو زبان سے ادا ہو دل بھی اس کا ہمنوا ہو۔ ۳...... کوئی اور چیز قبولیتِ دعا سے مانع موجود نہ ہو، پھر نتیجہ صحیح برآمد ہوتا ہے، ورنہ نہیں۔

تین طریقوں سے دعاؤں کا آغاز:

دعاؤں کا آغاز تین طریقوں سے کیا جاتا ہے اور یہ تینوں طریقے مسنون دعاؤں میں

پائے جاتے ہیں، ان میں کون سا طریقہ سب سے بہتر ہے؟ اس کی طرف علامہ ابن القیم الجوزیؒ نے اشارہ کیا ہے، چنانچہ وہ ''التفسیر القیم'' میں رقم طراز ہیں:

''دعائیں تین طرح سے مانگی جاتی ہیں:

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء وصفات کا واسطہ دے کر دُعا مانگی جائے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (الأعراف:۱۸۰)

ترجمہ:۔''اور اسماءِ حسنیٰ (اچھے نام) اللہ ہی کے ہیں، اُسکو اُنہی ناموں سے پکارو''۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اسماءِ حسنیٰ میں سے کسی اسم کا ورد تکرار کی وجہ سے ذکر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، یا پھر دعا کی صورت اختیار کر جاتا ہے، اس لئے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا ہر نام دعا گو کی کسی ضرورت سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرے: یہ کہ تم اپنی حاجت، درماندگی، ذلت و عاجزی کا اظہار کرو اور سائل بن کر مانگو، جیسے یوں کہو:''أَنَا الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ الْمِسْكِيْنُ الْبَائِسُ الْمُسْتَجِيْرُ''۔ وغیرہ۔

تیسرے: یہ کہ تم اس کے آگے ہاتھ پسارو، اس سے التجاء اور درخواست کرو، لیکن جو حاجت ہے، اُس کا ذکر نہ کرو۔

پہلی قسم، دوسری قسم سے زیادہ بہتر و زیادہ کامل ہے، اور دوسری قسم، تیسری سے زیادہ اچھی اور کامل تر ہے۔ جس دعا میں یہ تینوں باتیں جمع ہو جائیں، وہ ان میں سب سے زیادہ کامل و جامع طریقۂ دعا ہے۔''

رسالت مآب ﷺ کی دعاؤں میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعاؤں میں بھی یہ تینوں خوبیاں یکجا موجود ہیں، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور دعا ہے:

'' اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْماً كَثِيْراً''.... ''اے اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر بہت ہی ظلم ڈھایا ہے''۔ یہ تو سائل کا حال ہے۔ پھر جس سے درخواست کی جارہی ہے، اُس کی صفت کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے:'' وَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ''۔....'اور بے شک تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں''۔ پھر فرمایا:'' فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ''۔...''سو آپ اپنی طرف سے مجھے بخش دیجئے''۔ اس جملے میں اپنی حاجت کا ذکر ہے، اور دعا کا خاتمہ دو اسماء حسنیٰ''غفور'' اور ''رحیم'' پر کیا گیا جو مطلوب کے مناسب اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے

ہیں، چنانچہ خاتمۂ دعا میں کہا گیا ہے: ''إِنَّکَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ''۔...''بلاشبہ آپ ہی بخشنے والے مہربان ہیں''۔

لفظ''اَللّٰهم'' سے دعاؤں کا آغاز:

اکثر و بیشتر دعاؤں کا آغاز''اللّٰھم'' کے لفظ سے ہوتا ہے۔مشہور تابعی و نامور محدث ابو رجاء عمران بن ملحان عطاردیؒ المتوفی ۱۰۵ھ کا قول ہے کہ :''أَللّٰھم'' کے لفظ میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے اسرار جمع ہیں۔مشہور امام لغت نضر بن شمیل بصریؒ المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں: ''اَللّٰھمَّ'' اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کا جامع ہے۔

دعا میں حضورِ قلب:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ''مہمات الدعاء''میں رقمطراز ہیں:

''صرف زبانی دعا کہ آموختہ سا رٹا ہوا پڑھ دیا، نہ خشوع نہ خشیت، نہ دل میں اپنی عاجزی کا تصور، یہ خالی ازمعنی دعا کیا ہوئی؟''۔

دعا میں جب تک کہ پورے طور پر قلب کو حاضر نہ کرے گا اور عاجزی اور فروتنی کے آثار اس پر نمایاں نہ ہوں گے، ایسی دعا، دعا نہیں خیال کی جاسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو قلب کی حالت کو دیکھتے ہیں۔

یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہئے کہ حصول مقصد کے لئے موقع ومحل کے اعتبار سے صحیح تدبیر اختیار کرنا لازمی امر ہے۔جنگِ بدر کے موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاری بھی کی اور دُعا بھی مانگی، اس طرح ہر مسلمان کے لئے زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ان دونوں باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اس زمانے میں خواتین اور مرد سب ہی تعویذ گنڈوں کے چکر میں ہزاروں روپے لوگوں کو دیتے ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پیر فقیر یہ کہہ کر چھوٹ جاتے ہیں کہ ہم نے توڑ کیا تھا، اس نے پھر جادو کر دیا۔اس طرح ساری عمر، اور وقت بھی ضائع کرتے اور رقم بھی برباد کرتے ہیں۔ یہ نتیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات اور موقع ومحل کی دعا اور ذکر سے گریز کا ہے جو بنی نوع انسان کی گوناگوں پریشانیوں سے نجات کے لئے اس مجموعہ میں موجود ہیں۔

ان اذکار اور دعاؤں سے ان شاء اللہ پریشانیوں سے نجات بھی حاصل ہوگی اور اجر وثواب بھی ملے گا اور انسان کا اللہ تعالیٰ سے بندگی کا رشتہ بھی بندھا رہے گا، بلکہ تعلق ورشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہے گا اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا۔ مسلمان کی یہی سب سے بڑی آرزو اور کامیابی ہے۔

کوچنیل نامی کیڑے سے کشید کردہ رنگ کا حکم!

مفتی شعیب عالم، استاذ جامعہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

موجودہ ترقی یافتہ دور میں انسان مختلف قسم کے رنگوں کا استعمال کررہا ہے، خاص کر کھانے پینے کی بعض اشیاء، ادویات اور خواتین کے میک اپ کی اشیاء میں مختلف قسم کے رنگوں کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ رنگ مختلف ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً: پھل، سبزیاں، پھول، کیڑے مکوڑے اور کیمیکلز، وغیرہ۔

ان رنگوں میں سے لال رنگ کا استعمال زمانۂ قدیم سے ہے۔ پہلے یہ رنگ مصوری میں، کپڑے اور دھاگے رنگنے میں استعمال ہوتا تھا اور آج ترقی یافتہ دور میں اسے کھانے پینے کی اشیاء اور خواتین کے میک اپ کے سامان، مثلاً لپ اسٹک وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس لال رنگ کے حصول کا ایک ذریعہ ''کوچنیل'' نامی ایک مادہ کیڑا ہے، جس کی غذا ''کیکٹس'' نامی ایک پودہ ہے۔ یہ کیڑا لاطینی امریکہ میں پایا جاتا ہے اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اس کی فارمنگ کی جارہی ہے۔

اس مادہ کیڑے کوچنیل سے لال رنگ حاصل کرنے کے دو طریقے رائج ہیں:

۱......کوچنیل مادہ کیڑے کو کیکٹس کے پتے سے احتیاط سے اتار کر مکمل پیس کر سفوف بنالیا جاتا ہے اور اس سفوف کو پانی یا الکحل میں ملاکر تیار کیا جاتا ہے۔

۲......اسی طرح کبھی الکحل یا پانی میں مکمل کیڑے کو اچھی طرح اُبالا جاتا ہے اور لال رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔ مذکورہ طریقے کو سمجھنے کے لئے انٹرنیٹ کے درج ذیل ایڈریس پر موجود ویڈیو کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

Youtube video 1: http://www.you tube.
com/watch?v=jSgteZSLJ90&feature=related

Youtube video 2:http://www.youtube.com/watch?v= 9YzM1Edb6mo

سوال یہ ہے کہ:

۱......کیا کوچنیل کیڑے سے حاصل کردہ مذکورہ رنگ پاک ہے یا نہیں؟

۲......کیا کوچنیل کیڑے سے حاصل کردہ رنگ کا استعمال کھانے پینے میں جائز ہے؟۔

۳......کیا کوچنیل کیڑے سے حاصل کردہ رنگ کا استعمال میک اپ کے سامان مثلاً: لپ اسٹک وغیرہ میں درست ہے یا نہیں؟۔

مستفتی: رضوان وارثی، چیئرمین ایچ آر سی، پاکستان

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

''کوچنیل''(COCHINEAL) جسے اُردو میں ''کچنیلا'' یا ''کرم دانہ'' اور عربی میں ''قرمز'' کہا جاتا ہے، ایک چھوٹا سا کیڑا (insect) ہے، جو جسامت میں مکھی کے برابر ہوتا ہے اور خاص کر میکسیکو اور لاطینی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ کیڑا کیکٹس نامی پودے پر پایا جاتا ہے اور اسی سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔

جس وصف کی بناء پر یہ کیڑا دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور جو خصوصیت اُسے دوسرے کیڑے مکوڑوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اُس کا ذائقہ، لذت، غذائیت، خوب صورتی یا شفا بخش ہونا نہیں ہے، بلکہ اس کے مادہ کے پیٹ میں پائی جانے والی گہری سرخی ہے۔ اس کیڑے کا مادہ پورا کا پورا سرخی سے بھرپور ہوتا ہے، مگر خاص طور پر اس کے پیٹ میں ایسے انڈے پائے جاتے ہیں، جن میں باقی جسم کے مقابلے میں زیادہ مقدار میں گہرا سرخ رنگ ہوتا ہے۔ اسی گہرے شوخ رنگ کے حصول کے لئے مختلف خطوں میں اس کی مصنوعی افزائش بھی کی جاتی ہے۔ تقریباً ستر ہزار کیڑوں سے ایک پاؤنڈ کے برابر لال رنگ حاصل ہوتا ہے۔ ''پیرو'' اس سلسلے میں بہت آگے ہے، جو سالانہ دو سوٹن ڈائی بناتا ہے۔

مذکورہ رنگ مختلف اشیاء میں استعمال ہوتا ہے، مگر اس کا خاص استعمال کھانے کی اشیاء کو رنگنے کے لئے ہوتا ہے، تاکہ وہ دل کش، خوش رنگ اور خوش نما معلوم ہوں۔ خوردنی اشیاء کے علاوہ اس کا استعمال مشروبات، ادویات، کپڑوں اور کاسمیٹکس میں بھی ہوتا ہے۔

''cochineal قرمز، فرنگی، کرم دانہ۔'' (اسٹینڈرڈ اردو ڈکشنری، ۱۹۹)

''cochineal: ایک سرخ، قرمزی رنگ جو خصوصاً کھانے کی چیزوں کو رنگنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، کچنیلا ۲۔ میکسیکو کے کیڑے قرمز dectylopius

cocus کی مادنیوں کے سوکھے جسم جن سے یہ رنگ حاصل ہوتا ہے۔‘‘

(اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری، ص:۲۷۲، مترجم: شان الحق حقی، ط: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس)

"a bright red substance used to give colour to food".

(اوکسفرڈ ایڈوانس لرنرز ڈکشنری، آٹھواں ایڈیشن)

کوچنیل سے اس رنگ کا حصول چند تدریجی مرحلوں میں ہوتا ہے۔سب سے پہلے اس کیڑے کو مارا جاتا ہے۔ مارنے کے مختلف طریقے ہیں:

۱ ...... یا تو اسے پانی میں اُبالا جاتا ہے۔

۲ ...... یا لکڑی کے تختے نما برتن میں ہلا جلا کر مارا جاتا ہے۔

۳ ...... یا پھر اوون وغیرہ کے ذریعے اسے مصنوعی گرمائش دی جاتی ہے۔

۴ ...... یا پھر دھوپ میں ڈال دیا جاتا ہے۔

مارنے کے بعد اُسے نمی سے بچا کر خشک کیا جاتا ہے اور پھر کوٹ کر، پیس کر اور چھان کر غیر ضروری مواد کو الگ کیا جاتا ہے اور مطلوبہ اجزاء کا سفوف بنا دیا جاتا ہے۔اس کے بعد اُسے چند مزید کیمیائی مراحل سے گذارا جاتا ہے۔اس طرح یہ رنگ تیار ہوجاتا ہے۔بازار میں موجود ’’E120، کارمائن، کارمینک ایسڈ، نیچرل ریڈ اور کوچنیل وغیرہ اسی رنگ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کاسمیٹکس انڈسٹری اس کے لئے ’’C.I.75470‘‘ کا کوڈ استعمال کرتی ہے:

“The insects are killed by immersion in hot water (after which they are dried) or by exposure to sunlight, steam, or the heat of an oven.”

(وکی پیڈیا)

“Once all of the insects are collected, farmers pour them onto a wooden plank.For five to six minutes, the farmer will shake the beetles in a process that eventually kills the insects while retaining their dark colors. There are other ways to kill the bugs.....

(http://www.businessinsider.com/how-cochineal-insects-color-your-food-and-drinks-2012-3?op=1)

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ ’’کوچنیل‘‘ کو مختلف طریقوں سے مارا جاتا ہے۔آگ سے مارنا یا جو

طریقہ آگ سے مارنے کے حکم میں ہو، اس کے ذریعے کوچنیل کو مارنا جائز نہیں ہے، کیونکہ آگ سے مارنا صرف خاصۂ خداوندی ہے۔ اور جب آگ کے علاوہ دوسری ترکیب سے اُسے مارا جاسکتا ہے تو پھر آگ سے مارنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء نے ریشم کے کیڑوں کو دھوپ میں مارنے کی اجازت اس بناء پر دی ہے کہ انہیں مارنے کی کوئی اور تدبیر نہیں ہے۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص:۱۰۳، طبع: میر محمد کراچی)

یہ وضاحت ضروری ہے کہ جان دار کو ''آگ میں جلانے کی ممانعت'' یا اسے ''زائد از ضرورت تکلیف دینے کی قباحت'' اسلام کی اس رحمت عامہ اور شفقت تامہ کی بناء پر ہے جس کا اثر حیوانات، نباتات اور جمادات سب تک پہنچا ہوا ہے اور جس سے ہر مخلوق اپنے اپنے دائرے میں اپنی نوعیت اور مقام و مرتبے کے مطابق فیض یاب ہورہی ہے۔ انسان کو بھی ترغیب ہے کہ وہ اپنے اندر اخلاق الٰہی پیدا کرتے ہوئے خدا کی مخلوق کے ساتھ رحم اور شفقت کا معاملہ کرے۔ تاہم اگر انسان سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جان دار کو آگ میں جلاتا ہے یا اسے غیر ضروری تکلیف دیتا ہے تو اس کا فعل گناہ ہے، اور اس کا عمل اس کے منصب کے تقاضوں کے منافی ہے، مگر اس سے جان دار کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ اگر وہ حلال ہے تو حلال ہی رہتا ہے اور اگر حرام ہے تو حرام ہی رہتا ہے۔ اس لئے کوچنیل کو آگ میں جلانے کا عمل تو برا ہے، مگر اس سے کوچنیل کی حلت وحرمت پر یا طہارت ونجاست پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں: اس فعل کی مرتکب غیر مسلم قومیں ہیں، جنہیں اسلام کے تصورِ حقوق کی وسعت اور ہمہ گیریت سے تو آگاہ کیا جاسکتا ہے اور انہیں حیوانات کے حقوق کے متعلق ان کے نعرے اور دعوے تو یاد دلائے جاسکتے ہیں، مگر اُنہیں کسی خاص طریقہ کار کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔

حاصل یہ ہے کہ آگ میں مارنے یا نہ مارنے کا سوال مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے غیر اہم ہے۔ تاہم جس صورت میں ''کوچنیل'' میں الکحل ملایا گیا ہو، اس صورت میں یہ سنجیدہ اور اہمیت کا حامل سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس پروڈکٹ میں کوچنیل ہو اور کوچنیل میں الکحل ہو، وہ پاک ہے یا ناپاک ہے، حلال ہے یا حرام ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے وقت کوچنیل تو پس پردہ چلا جاتا ہے اور الکحل موضوع بحث بن جاتا ہے کہ وہ کس ذریعے سے حاصل کیا گیا ہے؟

اگر الکحل انگور یا کھجور سے کشید کیا گیا ہو تو تینوں حنفی اماموں کے نزدیک اس کا خوردنی استعمال حرام ہے، اور اگر کسی اور ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو تو شیخینؒ کے نزدیک اس کا بیرونی استعمال جائز ہے، مگر امام محمدؒ کے نزدیک اس کا بیرونی استعمال بھی ناجائز ہے۔ اکثریت کا قول اور مفتی بہ قول امام محمدؒ کا ہے، اس لئے جس پروڈکٹ میں الکحل ملا ہوا کوچنیل استعمال کیا گیا ہو، اس کا خارجی استعمال بھی ناجائز ہوگا۔

اگر چہ ضرورت اور تنگی کے موقع پر شیخینؒ کے مذہب کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے اور مشائخ نے ایسے موقعوں پر ان کے مذہب پرفتوی بھی دیا ہے، مگر اس سہولت سے فائدہ اٹھانا اس وقت مناسب ہوگا جب لال رنگ ہماری ضرورت ہو اور لال رنگ کی ضرورت الکحل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو اس رنگ کی تیاری میں الکحل کا استعمال ناگزیر ہو، اور دوسری طرف یہ رنگ ہماری ضرورت اور مجبوری ہو، اور ہماری مجبوری کو دیکھتے ہوئے شریعت اپنے حکم میں نرمی پیدا کرکے اسے ہمارے لئے مباح کردے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اس رنگ کا حصول الکحل پر منحصر ہے (جیسا کہ شروع میں گذرا) اور نہ خود یہ رنگ دوا یا غذا کا ناگزیر جزو ہے اور نہ ہم کسی رنگ کے اس قدر محتاج ہیں کہ ہمارا احتیاج شرعی ضرورت کا درجہ اختیار کرلے۔ اگر اس رنگ کی تیاری میں کسی بھی مرحلے میں الکحل کا استعمال نہ ہو تو پھر اس کا بیرونی استعمال تو جائز ہوگا، مگر خوردنی استعمال پھر بھی ناجائز رہے گا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اشیاء کی چند قسمیں ہیں:

۱:...... جمادات ۔۲:...... نباتات ۔۳:...... مائعات ۔۴:...... حیوانات

حیوانات پھر دو قسموں میں تقسیم کئے جاتے ہیں:

۱:...... بحری ۔۲:...... بری۔

بری جانوروں کی پھر تین بڑی بڑی قسمیں ہیں:

۱:...... جن میں بہتا ہوا خون ہو ۔۲:...... جن میں خون تو ہو لیکن بہنے والا نہ ہو۔

۳:...... اور جن میں سرے سے خون ہی نہ ہو۔

"وأما الذی یعیش فی البر فأنواع ثلثة: مالیس له دم أصلا، وما لیس له دم سائل... وما له دم سائل..."۔

(ہندیۃ: الباب الثانی فی بیان ما یؤکل من الحیوان، ص:۲۸۹، ج:۵، ط: کوئٹہ)

کوچنیل ایک کیڑا ہے جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس کا تعلق اس دوسری قسم سے ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''حشرات کو غیر ذی دم مسفوح مانا گیا ہے''۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص:۱۰۶)

کوچنیل کی نوعیت متعین ہونے کے بعد اب اس کے متعلق دو سوالات حل طلب ہیں:

۱:...... کیا ''کوچنیل'' پاک ہے؟ ۲:...... کیا ''کوچنیل'' حلال ہے؟

طہارت اور حلت کے عنوان سے دو الگ سوالات اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ دونوں ہم معنیٰ تعبیریں اور مترادف اصطلاحات نہیں ہیں۔ ممکن ہے بلکہ امر واقعہ ہے کہ بعض جانور پاک تو ہوتے ہیں، مگر حلال نہیں ہوتے ہیں، جیسا کہ پانی میں رہنے والے جانوروں کا حال ہے کہ وہ پاک

تو ہیں، مگر سب کے سب حلال نہیں ہیں۔ کوچنیل بھی پاک ہے، کیونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے، مگر حرام بھی ہے، کیونکہ اس میں ''خبث'' کی علت پائی جاتی ہے۔ گویا ایک علت سے کوچنیل پاک ہے اور دوسری علت سے حرام ہے۔ پاک ہونے کی وجہ سے اگر یہ کیڑا پانی میں گر جائے یا گر کر مر جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اور اس کا جسم پر بیرونی استعمال بھی جائز ہے، مگر خبث کی وجہ سے یہ کیڑا حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ایک ایسا فتویٰ درج ہے جو لگتا ہے کہ کوچنیل ہی کے متعلق ہے، صرف نام کی صراحت نہیں ہے:

سوال: یہاں دکانوں میں لال شربت ملتا ہے، اس کے اندر جو سرخی اور لالی ہوتی ہے وہ ایک قسم کی مکھی سے کشید کی جاتی ہے۔ اس مکھی کو پیس کر یا کسی اور طریقہ سے سرخی کشید کرتے ہیں اور اس کو شربت میں ملاتے ہیں تو اس شربت کا پینا کیسا ہے؟

الجواب: ''مکھی اور چیونٹی میں دم سائل نہیں ہے، اس لئے پاک ہے، مگر کھانا حلال نہیں، خارجی استعمال درست ہے، داخلی استعمال درست نہیں، لہٰذا اس کا کوئی جزء شربت میں پڑتا ہو تو اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔'' (کتاب الحظر والإباحۃ، باب مایجوز أکلہ ومالا یجوز، ص:۱۳۸، ج:۹، ط: دار الإشاعت)

بہشتی زیور میں بھی یہی بات کہی گئی ہے:

''کیڑے مکوڑے اور خشکی کے جملہ وہ جانور جن میں دم سائل نہ ہو، پاک ہیں، جیسے حشرات الارض بچھو، تیتے، چھوٹی چھپکلی جس میں دم سائل نہ ہو، چھوٹا سانپ جس میں دم سائل نہ ہو، خارجاً ان کا استعمال ہر طرح درست ہے اور داخلاً سب حرام ہیں، سوائے ٹڈی کے۔''

(بہشتی زیور، نواں حصہ، ص۱۰۴، ط: میر محمد کتب خانہ)

عربی فتاویٰ جات میں بھی حشرات کو پاک لکھا ہے اور ان کے کھانے کو حرام کہا گیا ہے:

''واعلم أن کل مالا یفسد ماء لا یفسد غیر الماء وهو الأصح کذا فی المحیط والتحفة والأشبه بالفقه کذا فی البدائع،لکن یحرم أکل هذه الحیوانات المذکورة،وما عدی السمک الغیر الطافی لفساد الغزاء وخبثه متفسخاأو غیره وقدمناه عن التجنیس''.

(البحر الرائق: کتاب الطہارۃ، ص:۱۶۴، ج:۱، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

(ویکره أکل الضبع...والحشرات کلها)والظاهر أن الحشرات کلها من الخبائث. (فتح القدیر: کتاب الذبائح، فصل فیما یحل أکلہ ومالا یحل، ص:۵۱۱، ۵۱۳، ج:۹، ط: دار الکتب العلمیۃ)

''وموت ما لیس له نفس سائلةفی الماء لاینجسه کالبق والذباب

والزنابیر والعقارب ونحوها".

(الھندیۃ: الباب الثالث فی المیاہ، الفصل الثانی ص:۲۴ ج:۱، ط: کوئٹہ)

"...وما لیس له دم سائل کالبق والذباب)لأن النجس هو الدم المسفوح". (السعایۃ، کتاب الطھارۃ ص:۳۵۴، ۳۵۶، ج:۱، ط: سہیل اکیڈمی)

"وکذلک مالیس له دم سائل مثل الحیة والوزغ وسام أبرص وجمیع حشرات الأرض وهوامّ الأرض من الفارة و القراد و القنافذ والضب و الیربوع وابن عرس ونحوها". (بدائع: الذبائح والصیود، ص:۳۶، ج:۵، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

"فما لا دم له أصلا مثل الجراد والزنبور والذباب والعنکبوت والخنفساء والعقرب والببغاء ونحوها لا یحل أکله إلا الجراد خاصة".

(ہندیۃ: الباب الثانی فی بیان مایؤکل من الحیوان، ص:۲۸۹، ج:۵، کوئٹہ)

کیڑے طبعی طور پر مرغوب نہیں ہوتے ہیں، سلیم طبیعتوں کو ان کے کھانے سے گھن آتی ہے۔ جن چیزوں سے ذوقِ سلیم اور طبعِ مستقیم کو کراہت محسوس ہو، وہ شرعاً بھی ناجائز ہوتی ہیں۔ تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

"ضبط أهل الفقه حرمة التناول إما بالإسکار کالبنج وإما بالإضرار بالبدن کالتراب والتریاق أو بالإستقذار کالمخاط والبزاق وهذا کله فیما کان طاهراً". (ص:۳۶۳، ج:۲، ط: المکتبۃ الحبیبیۃ)

"ولایحل ذوناب یصید بنابه ...ولاالحشرات)هی صغار دواب الأرض واحدها حشرة... ثم قال: والخبیث ما تستخبثه الطباع السلیمة...وتحته فی الرد: قال فی معراج الدرایة: أجمع العلماء علی أن المستخبث حرام بالنص وهو قوله تعالی: ویحرم علیهم الخبائث...".

(ردالمحتار، کتاب الذبائح ص:۳۰۵، ۳۰۶، ج:۶، ط: ایچ ایم سعید)

"وحل غراب الزرع ...لا الأبقع...والحشرات...یعنی هذه الأشیاء لاتوکل...والحشرات فلأنها من الخبائث وقد قال تعالیٰ: ویحرم علیهم الخبائث...". (البحرالرائق، کتاب الذبائح ص:۱۷۲، ج:۸، ط: رشیدیہ)

یہی مضمون "بہشتی زیور" میں بھی ہے:

"جاننا چاہئے کہ شریعت مطہرہ میں استعمال کے منع ہونے کی وجہیں چار ہیں: نجاست ...مضر ہونا...استخباث، یعنی طبیعت سلیمہ کا اس سے گھن کرنا، جیسے کیڑے مکوڑوں میں، اور نشہ لانا"۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص:۹۸، میر محمد کتب خانہ)

مذکورہ بالا عبارت سے کچھ پہلے ایک دوسرے مقام پر ہے:

''...اسی طرح سرکہ کو مع کیڑوں کے کھانا یا کسی معجون وغیرہ کو جس میں کیڑے پڑ گئے ہوں، مع کیڑوں کے یا مٹھائی کو مع چیونٹیوں کے کھانا درست نہیں اور کیڑے نکال کر درست ہے۔''

(بہشتی زیور، نواں حصہ، ص:۱۰۴)

فتاویٰ مظاہر العلوم میں ہے:

''مکھی غیر ذی دم مسفوح ہے، لہٰذا جب سالن میں گر جاتی ہے تو اس کے مرنے سے سالن ناپاک نہیں ہوتا۔ لہذا اس سالن کا کھانا شرعاً جائز قرار پایا، اور چونکہ مکھی منجملہ خبائث کے ہے اور تمام خبائث کا کھانا حرام ہے، لہٰذا مکھی کا کھانا اور کھلانا حرام ہوگا۔

(کتاب الحظر والإباحۃ، باب الأکل والشرب، ص:۲۹۸، ج:۱، ط:مکتبۃ الشیخ)

اگر چہ کھانے پینے کی اشیاء میں اس رنگ کا استعمال اب عام ہے، مگر اس کی بڑی وجہ اس رنگ کی اصلیت سے لوگوں کی بے خبری اور ناواقفیت ہے۔ جن لوگوں کو اس کی حقیقت اور حکم معلوم ہوگیا ہے، انہوں نے احتیاط برتنا بھی شروع کردی ہے۔ مغربی دنیا اگر دانستہ اس کا استعمال کررہی ہے تو ان کی طبائع کا اعتبار ہے اور نہ ہی ان کا عمل ہمارے لئے حجت ہے۔ مسلمانوں میں سے بھی جن لوگوں نے لذتِ کام ودہن کو مقصد زندگی بنالیا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہر حد کو عبور اور ہر رکاوٹ کو پھلانگتے ہیں تو پھر غیروں سے کیا گلہ؟ کس بات کا شکوہ؟ ایسے لوگوں کے متعلق بس یہی کہا جاسکتا ہے:

"ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ". (الآية)

ترجمہ:۔''چھوڑ دے ان کو کھالیں اور برت لیں اور امید میں لگے رہیں، سو آئندہ معلوم کرلیں گے''۔

خبث کے علاوہ کوچنیل میں ایک اور وجہ بھی حرمت کی پائی جارہی ہے۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ حشرات میں دم غیر مسفوح ہوتا ہے اور دم غیر مسفوح پاک تو ہے، مگر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ بہشتی زیور میں ہے:

''مذبوح جانور کی گردن میں موضع ذبح پر جو خون لگا ہوتا ہے وہ دم مسفوح ہے، بلا دھوئے اور خون چھوٹے طہارت نہیں ہوسکتی۔ ہاں جو خون رگوں کے اندر یا جلد وغیرہ میں رہ جاتا ہے وہ غیر مسفوح ہے اور دفعاً للحرج کھانے میں بھی مضائقہ نہیں اور سوائے اس کے اور خون غیر مسفوح پاک تو ضرور ہیں، مگر داخلاً جائز نہیں، جیسے کوئی کھٹمل کا خون کھانا چاہے۔''

(بہشتی زیور، نواں حصہ، ص:۱۰۶، میر محمد کتب خانہ)

''خبث'' اور'' دم غیر سائل'' کے علاوہ مذکورہ رنگ میں'' مضرت'' کا پہلو بھی پایا جاتا

ہے۔ ایسے واقعات سامنے آئے ہیں جن میں مذکورہ رنگ کے استعمال سے لوگ الرجی اور دمہ کا شکار ہوئے ہیں۔ برطانیہ کی (HASCG) نامی تنظیم بچوں کے لئے اس رنگ کے استعمال کو منع کرتی ہے:

"Important E-Numbers to Avoid:

Some countries have displayed a more responsible attitude and, as you will see from the lists below, have banned certain substances.....Any substance marked with * means that it is derived from animals (mostly pigs) and should be avoided if a child has pork allergies.

Colourant E numbers banned in some countries:

..., E120* Cochineal, red colour, ..."

(http://www.safekids.co.uk/enumberstoavoid.html)

"E120 Cochineal, Carminic acid, Carmines

Red colour; made from insects; rarely used; the HASCG recommends to avoid it, especially hyperactives, rhinitis sufferers, urticaria, asthmatics and aspirin cause of allergic reactions. Typical products includealcoholic beverages, dyed cheeses, puddings, icings, sweets, sauces, fizzy drinks, cakes, soups and pie fillings. Banned in USA." (http://mbm.net.au/health/100-181.htm)

The World Health Organisation has found that cochineal extract may cause asthma in some people. Others may see an allergic reaction.

(http://www.dailymail.co.uk/femail/article-2120796
/Starbucks-admits-Strawberry-Frappuccino
-contains-crushed-bugs.html)

اگرچہ دمہ اور الرجی کا باعث بننے سے مذکورہ رنگ کا ''ضرر رساں'' ہونا ثابت ہوتا ہے، مگر ایسے واقعات تعداد میں کم ہیں، اس لئے ان سے صرفِ نظر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اگر مضرت کے

پہلو سے صرفِ نظر کرلیا جائے تو قانون ''سد باب'' کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ کیڑے مکوڑے ایسی مخلوق ہیں جن کی انواع دیگر جان داروں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ اس وقت لاکھوں کی تعداد میں کیڑوں کی انواع دریافت ہوچکی ہیں، جن میں سے ہزار بارہ سو کے قریب کیڑوں سے غذائیت بھی حاصل کی جارہی ہے۔ ''کوچنیل'' کو جائز کہنے کا مطلب ان سب کو ''سند حلت'' عطا کرنا ہے، کیونکہ جس بنیاد پر کوچنیل کو جائز کہا جائے گا، وہ بنیاد ان دوسرے کیڑوں میں بھی پائی جارہی ہے، بلکہ یہ دوسرے کیڑے خوراک کا ذریعہ ہونے کی بناء پر کوچنیل سے زیادہ حلت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ کوچنیل تو نہ دوا ہے، نہ غذا ہے بلکہ صرف رنگ کے حصول کا ذریعہ ہے۔

کوچنیل کی حلت کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہوسکتی ہے کہ ''اب اس کا استعمال عام ہے اور اس سے احتراز بہت مشکل ہے'' مگر صرف اس قدر کافی نہیں ہے، ساتھ یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہے کہ ''جن اشیاء میں یہ رنگ استعمال ہوتا ہے، وہ ہمارے معاشرے کی ضرورت ہیں۔'' وجہ یہ ہے کہ جو چیز معاشرے کی ضرورت ہو، اسے حرام کہنے سے لوگ سخت تنگی میں پڑ جاتے ہیں، ایسے موقع پر اہل علم کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ غور کریں کہ:

۱ ...... واقعی ضرورت ایک حقیقی ضرورت ہے؟۔

۲ ...... اور اس کا کوئی جائز متبادل موجود ہے یا نہیں؟۔

واقعہ یہ ہے کہ رنگ بہ حیثیت رنگ ہونے کے کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے۔ شاید ہی کوئی انسان کسی کالے پیلے یا سرخ نیلے کا محتاج ہو۔ اور اگر واقعتاً کوئی رنگ ہماری ضرورت ہو تو پہلے جائز طریقے سے ضرورت پوری کرنی کوشش کی جائے گی۔ کوچنیل کا جائز متبادل موجود ہے۔ سرخ رنگ چقندر اور انگور وغیرہ کئی اشیاء سے کشید کیا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوچنیل میں تیز سرخی ہوتی ہے۔ مگر اس تیزی کا فائدہ کیا ہے؟ یہی کہ اس سے پروڈکٹ خوش رنگ اور خوش نما معلوم ہوتا ہے اور انسان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔ مگر حسِ لطیف کی تسکین، نظر کی عشرت اور باصرہ کی لذت کوئی شرعی ضرورت ہے؟ یقیناً جواب نفی میں ہے۔

اس تفصیل کے بعد آپ کے سوالات کا مختصر جواب یہ ہے کہ:

۱ ...... کوچنیل سے حاصل کردہ رنگ پاک ہے۔

۲ ...... کھانے پینے میں کوچنیل کا استعمال ناجائز ہے۔

۳ ...... میک اپ کے سامان میں کوچنیل کا استعمال جائز ہے۔

میراث کے معاملہ میں کوتاہیاں اور ذمہ داریاں

مفتی عارف محمود، استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

فطرتِ انسانی:

انسان کی فطرت اگر زندہ ہو اور اس میں غور وفکر کی صلاحیت موجود ہو تو اسے جگانے اور حرکت میں لانے کے لئے ایک جملہ اور ایک بول بھی کافی ہو جاتا ہے، لیکن اگر انسان کی فطرت مردہ ہو چکی ہو، بصارت وبصیرت پر کفر وعصیان کے پردے پڑے ہوئے ہوں تو پھر انسان کو بیدار کرنے اور حرکت میں لانے کے لئے تحریر کے سینکڑوں دفاتر، اور ہزاروں بیانات اور کائنات میں موجود لاتعداد مظاہرِ قدرت بھی ناکافی پڑ جاتے ہیں۔

آفاق وانفس میں خالق کائنات نے بے شمار دلائل وحدانیت اور آیات وبراھین برائے ہدایت ودیعت فرمائے ہیں، اگر انسان صرف اپنی خلقت میں غور وفکر کرے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب اس کی ذات کا کوئی وجود نہ تھا، وہ بالکل معدوم تھا، اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسے وجود بخشا، رحم مادر سے لے کر ماں کی آغوش تک اور وہاں سے لے کر قبر کی گود تک، تمام مراحل میں اس کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کا مکمل انتظام فرمایا، انسان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، کسی طرح کا کوئی کمال نہیں، یہ تو محض اس رحیم وکریم آقا کی مہربانی اور انعام واحسان ہے۔

اسبابِ زندگی:

انسان کی ضرورتیں عام طور سے دارالاسباب میں مال وزر سے مربوط ہیں۔ مال ودولت انسانی تقاضوں کو پورا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اور سبب ہے، اس لئے فطری طور پر انسان کی طبیعت میں مال کی محبت پائی جاتی ہے، اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لئے اس نے انسان کو نہ صرف حلال طریقے سے کمانے کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کی باقاعدہ ترغیب ارشاد فرمائی ہے، مال کمانے کے حلال ذرائع بتلائے ہیں، اس کے احکام کی وضاحت کی ہے، حرام ذرائع کی نشاندہی کی ہے، پھر حلال وحرام کی تمام تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد حلال اموال سے متعلق حقوق واجبہ ونافلہ بتلائے، مال

سے متعلق حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں کو واضح کیا اور ان حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا۔

تہذیب جدید اور جاہلی تہذیب میں مماثلت:

آج کا انسان جو تہذیب یافتہ اور روشن خیال ہونے کا دعویدار ہے، مادی ترقی میں زمینوں کو تہہ و بالا کرنے کے بعد آسمانوں کی تسخیر کے خواب دیکھ رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جتنی زیادہ تسخیر کائنات ہوتی جارہی ہے، انسان اتنا ہی زمانۂ جاہلیت کے قریب سے قریب تر ہوتا جارہا ہے۔ جاہلیت کی تہذیب وتمدن کو روشن خیالی اور ترقی کا جامہ پہنا کر اپنایا جارہا ہے، حضرت مولانا ذکی کیفی مرحوم نے کیا خوب فرمایا:

> ''زمانہ جاہلیت میں لوگ جس طرح کفر وشرک میں مبتلا تھے، طرح طرح کی ظالمانہ رسمیں رائج تھیں، غلاموں پر بے جا تشدد کرنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، یتیموں اور بیواؤں کا مال ہڑپ کر جانا، اور عورتوں کو ان کے جائز حقوق سے بھی محروم کرنا عام تھا، اسی طرح اس وقت آج کے تہذیب یافتہ دور کی طرح یہ بھی رائج تھا کہ مرنے والے کا مال صرف اور صرف وہ مرد لیتے تھے جو جنگ کے قابل ہوں، باقی ورثاء، یتیم بچے، عورتیں، روتے اور چلاتے رہ جاتے، ان کے قوی طاقتور چچا اور بھائی ان کی آنکھوں کے سامنے تمام مال ومتاع پر قبضہ جمالیا کرتے تھے''۔

بعثت نبوی ﷺ کے نتائج:

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے جہاں کفر وشرک کافور ہوا اور دیگر تمام باطل رسموں کی اصلاح ہوئی، اسی طرح یتیموں کے مال اور عورتوں کے حقوق ومیراث کے سلسلے میں بھی تفصیلی احکامات نازل ہوئے۔ دنیائے انسانیت جاہلی تہذیب سے نکل کر اسلام کی پاکیزہ معاشرت میں زندگی گزارنے لگی۔

اسبابِ میراث:

زمانۂ جاہلیت میں جن اسباب کی وجہ سے آدمی کو میراث ملتی تھی، ان میں ایک سبب ''نسب'' تھا، دوسرا ''معاہدہ'' (یعنی ایک دوسرے سے خوشی وغم میں تعاون کریں گے، ایک مرے گا تو دوسرا اس کا وارث بنے گا، اس بات کا معاہدہ کیا جاتا تھا) تیسرا سبب ''متبنّٰی'' (یعنی منہ بولا بیٹا) وارث بنتا تھا، اس کے علاوہ ابتدائے اسلام میں ان اسباب کے ساتھ ساتھ مواخات وہجرت کی وجہ سے بھی میراث میں حصہ تھا، جو حقیقت میں معاہدہ کی ایک صورت تھی۔

وصیت کا حکم:

اللہ رب العزت حکیم وعلیم ذات ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے حالات سے پوری طرح واقف و باخبر ہے، اس لئے اپنی حکمت وعلم کے پیش نظر زمانہ جاہلیت کی رسموں کی اصلاح کے سلسلے میں تدریجاً احکامات نازل فرمائے، اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ حکم نازل فرمایا کہ: ہر شخص موت سے پہلے اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے اپنی رائے سے مناسب وصیت کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''کتب علیکم إذاحضر أحدکم الموت إن ترک خیرا ن الوصیة للوالدین والأقربین بالمعروف......الخ''۔ (البقرة:۱۸۰)

ترجمہ:۔''تم پر یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے تو وہ مال کے بارے میں بھلائی سے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت چھوڑ جائے، جن کو خدا کا خوف ہے، ان کے ذمہ یہ ضروری ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بیان القرآن (ا:۱۱۵) اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصے شرع سے مقرر نہ ہوئے تھے، یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک ثلث تک مردہ اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو جتنا مناسب سمجھے، بتلا جاوے۔ اتنا تو ان لوگوں کا حق تھا، باقی جو کچھ رہتا وہ سب اولاد کا حق ہوتا تھا۔ اس آیت میں یہ حکم (یعنی وصیت)......اس حکم کے تین جزو تھے: ایک جزو: اولاد کے اور دوسرے ورثاء کے حصص وحقوق ترکہ میں معین نہ ہونا۔ دوم: ایسے اقارب کے لئے وصیت کا واجب ہونا۔ تیسرے: ثلث مال سے زیادہ وصیت کی اجازت نہ ہونا، پس پہلا جزو تو آیتِ میراث سے منسوخ ہے۔ دوسرا جز حدیث سے جو کہ مؤید بالا جماع ہے، منسوخ ہے۔ اور وجوب کے ساتھ جواز بھی منسوخ ہو گیا، یعنی وارث شرعی کے لئے وصیتِ مالیہ باطل ہے۔ تیسرا جزو اب بھی باقی ہے، ثلث سے زائد میں بالغ ورثاء کی رضاء کے بغیر وصیت باطل ہے۔''

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ماحق امرءٍ مسلم له شئ یوصی فیه یبیت لیلتین إلا ووصیته مکتوبة عنده''۔ (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، رقم الحدیث: ۲۵۸۷)

ترجمہ:۔''کسی بھی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو جس کی وصیت کرنا ہو تو اس کے لیے یہ بات ٹھیک نہیں کہ دو راتیں گذر جائیں اور اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من مات علی وصیته مات علی سبیل و سنّة ومات علی تُقی و شهادة و مات مغفوراً له''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، رقم الحدیث:۲۷۰۱)

ترجمہ:۔''جس شخص کو وصیت پر موت آئی (یعنی وصیت کر کے مرا) وہ صحیح راستہ اور سنت پر مرا، اور تقویٰ اور شہادت پر مرا، اور بخشا ہوا ہونے کی حالت میں مرا''۔

وصیت کے حوالے سے بتدریج احکامات نازل ہوئے، ان پر عمل ہوتا گیا تو پھر میراث کے حوالے سے تدریجاً احکامات نازل ہونا شروع ہوئے، اس سلسلے میں سب سے پہلا حکم یہ نازل ہوا کہ میراث جیسے مردوں کا حق ہے، اسی طرح عورتوں کا بھی حق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادگرامی نازل ہوا:

''للرجال نصیب مما ترک الوالدان والأقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والأقربون مما قل منه أو کثر نصیباً مفروضاً''۔(النساء:۷)

ترجمہ:۔''مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس (مال) میں جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، خواہ وہ چیز کم ہو یا زیادہ، حصہ بھی ایسا جو قطعی طور پر مقرر ہے''۔

اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر کچھ یوں ہے، تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو پسماندگان میں اہلیہ ام کُجہؓ اور تین بیٹیاں چھوڑیں، حضرت اوس بن ثابتؓ کے چچازاد بھائی سوید اور عرفجہ جو ان کے وصی بھی تھے، انہوں نے سارا مال خود لے لیا اور ام کجہؓ اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کو جائیداد میں حصے سے محروم کردیا، مظلوموں کا ماوی اور ملجا حضور اقدس ﷺ کے علاوہ کون تھا؟! چنانچہ ام کجہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور سارا ماجرا عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے مکان لوٹ جاؤ، جب تک اللہ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ آئے تم صبر کرو، اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجمالی طور سے اس آیت میں زمانۂ جاہلیت کے اس عمل کی نفی فرمائی اور میراث میں عورتوں کا حصہ ہونے کا حکم بھی ارشاد فرمایا کہ میراث صرف مردوں کا حق نہیں، بلکہ س میں عورتوں کا بھی حق ہے، اس آیت کے نازل ہونے پر حضور ﷺ نے سُوید اور عرفجہ کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میراث میں عورتوں کا بھی حصہ مقرر فرمایا ہے، لہذا تم اوس بن ثابتؓ کے مال کو بحفاظت رکھنا، اس میں سے کچھ خرچ نہ کرنا۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور عورتوں کا حصہ ابھی تفصیلی طور سے بیان نہیں کیا گیا تھا کہ دوسرا واقعہ پیش آیا، تین ہجری اُحد کی لڑائی میں جلیل القدر صحابی سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، ان کی شہادت پر حسب دستور بھائیوں نے تمام مال و جائیداد پر قبضہ کرلیا اور ان کی اہلیہ اور دو بیٹیوں کو میراث سے محروم کردیا، حضرت سعدؓ کی اہلیہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں آکر واقعہ بیان کیا کہ سب مال اُن کے چچا نے لیا ہے، حضور ﷺ نے

ان کو بھی یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ صبر کرو، عنقریب اللہ تعالیٰ اس بارے میں کوئی فیصلہ فرمادیں گے۔

میراث کے تفصیلی احکامات:

تفسیر قرطبی، مظہری اور روح المعانی میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور لڑکیوں کا حصہ بیان کرنے کے لئے اس آیت کو نازل فرمایا:

’’**یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین**.....الخ۔(النساء:۱۱)

ترجمہ:۔’’اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کو دو لڑکیوں جتنا حصہ ملے گا‘‘۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین کو صاف صراحتاً حکم دیا ہے کہ جس طرح میراث میں بیٹوں کا حق ہے، اسی طرح بیٹیوں کا بھی حق ہے، اس آیت کے نازل ہونے پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعدؓ کے بھائی سے کہلوایا کہ اپنے بھائی کے مال میں سے دو ثلث لڑکیوں کو اور آٹھواں حصہ ان کی بیوہ کو دو، اور باقی مال تمہارا ہے، اسلام کے قاعدۂ میراث کے مطابق سب سے پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی میراث تقسیم ہوئی۔

زمانۂ حیات میں مال و جائیداد کی تقسیم:

بعض حضرات اپنی زندگی ہی میں اپنا مال وجائیداد، اولاد واقرباء میں تقسیم کردیتے ہیں، عام طور سے دیکھنے میں آیا ہے کہ صرف بیٹوں کو حصہ دیا جاتا ہے اور بیٹیوں اور بیوی کو محروم کر دیا جاتا ہے، جب کہ بعض بیٹیوں کو حج کروانے کا لالچ دے کر حصہ سے محروم رکھتے ہیں، ان لوگوں کو حالتِ صحت میں اگرچہ مال میں تصرف کا مکمل اختیار ہے، لیکن یاد رہے ان کا یہ عمل اسلامی تعلیمات اور اس کی روح و مقتضیٰ کے خلاف ہے، چنانچہ امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنوسلمہ میں میری عیادت کے لئے تشریف لائے، مجھ پر بے ہوشی طاری تھی، آپ ﷺ نے پانی منگوایا، وضو فرمایا اور کچھ چھینٹیں مجھ پر ماریں، مجھے کچھ افاقہ ہوا، میں نے پوچھا: میں اپنا مال کیسے تقسیم کروں؟ ترمذی شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں’’**کیف أقسم مالی بین ولدی**؟‘‘یعنی میں اپنی اولاد کے درمیان اپنا مال کیسے تقسیم کروں؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:’’**یوصیکم اللہ فی أولادکم**.....الخ‘‘۔

(صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب: من انتظر حتی تدفن، رقم:۴۵۷۷، صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب: میراث الکلالۃ، رقم:۴۲۳۱)

اس آیت میں والدین کو حکم دیا گیا ہے کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو بھی مال میں سے حصہ دو۔

مشکوٰۃ شریف کی ایک صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بعض لوگ تمام عمر اطاعتِ

خداوندی میں مشغول رہتے ہیں، لیکن موت کے وقت وارثوں کو ضرر پہنچاتے ہیں، یعنی کسی شرعی عذر اور وجہ کے بغیر کسی حیلے سے یا تو حقداروں کا حصہ کم کر دیتے ہیں، یا مکمل حصے سے محروم کر دیتے ہیں، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ سیدھے جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیں! میراث کے بارے میں اللہ کے ایک حکم کے سلسلے میں حیلے بہانوں سے کام لینے والوں کی تمام عمر کی عبادتیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تبلیغ اور دیگر اعمال ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے، بلکہ ایسے شخص کے بارے میں جہنم کی سخت وعید بھی وارد ہوئی ہے۔ سنن سعید بن منصور کی روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ان الفاظ میں مروی ہے:

''من قطع میراثاًفرضہ اللہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ''۔(رقم:۲۵۸)

ترجمہ:۔''جو شخص اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ وارث کو محروم کرے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم کر دیتے ہیں''۔

عورتوں کا حصہ بیان کرنے میں قرآن کا اسلوب:

معزز قارئین! آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور فرمائیں: ''**للذکر مثل حظ الأنثیین**''۔ یعنی ''لڑکے کو دو لڑکیوں جتنا حصہ ملے گا''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے: ''**للأنثیین مثل حظ الذکر**'' نہیں فرمایا کہ دو لڑکیوں کو ایک لڑکے جتنا حصہ ملے گا، علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''**للذکر مثل حظ الأنثیین**'' فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب صرف لڑکوں کو حصہ دیا کرتے تھے، لڑکیوں کو نہیں دیتے تھے، ان کی اس عادت سیئہ پر رد اور لڑکیوں کے معاملے میں اہتمام کے لئے فرمایا کہ لڑکے کو دو لڑکیوں جتنا حصہ ملے گا، گویا یہ فرمایا کہ صرف لڑکوں کو حصہ دیتے ہو، ہم نے ان کا حصہ دوگنا کر دیا ہے لڑکیوں کے مقابلے میں، لیکن لڑکیوں کو بھی حصہ دینا ہوگا، ان کو بالکلیہ میراث سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ''احکام القرآن'' میں اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**ھذہ الآیۃ رکن من أرکان الدین وعمدۃ من عمد الدین وأمّ من أمّھات الآیات، فإن الفرائض عظیمۃالقدر، حتی أنھا ثلث العلم**''۔

ترجمہ:۔''یہ آیت (**یوصیکم اللہ فی أولادکم**) ارکان دین میں سے ہے اور دین کے اہم ستونوں میں سے ہے اور امہات آیات میں سے ہے، اس لئے کہ فرائض (میراث) کا بہت عظیم مرتبہ ہے، یہاں تک کہ یہ ثلث علم ہے''۔

اس آیت کریمہ میں میراث کے احکام بیان فرمانے کے بعد، اس کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ''**تلک حدود اللہ**'' یعنی یہ میراث کے احکام اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود ہیں، ان حدود پر عمل کرنے والوں کے لئے بطور انعام وجزا کے فرمایا:

''من یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنّٰت تجری من تحتھا الأنھٰر خالدین فیھا وذالک الفوز العظیم''۔ (النساء:۱۳)

ترجمہ:۔''جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اس (میراث) کے حوالے سے اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے ایسی جنت میں داخل فرمائیں گے جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے''۔

میراث کے سلسلے میں اللہ کے بیان کردہ احکامات پر عمل نہ کرنے والوں کے لئے آگ اور ذلت کا عذاب ہوگا، ارشاد ربانی ہے:

''ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعدّ حدودہٗ یدخلہ ناراًخالداًفیھا ولہ عذاب مھین''۔ (النساء:۱۴)

ترجمہ:۔''جو اس میراث کے حوالے سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کے بیان کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے، اللہ اس کو آگ میں داخل کردیں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت آمیز عذاب ہوگا''۔

جاہلانہ طرزعمل:

بیٹوں کو حصہ دے کر بیٹیوں کو محروم کرنا، یا بھائی اور چچا وغیرہ کا خود لے کر عورتوں کو محروم کرنا، یہ زمانۂ جاہلیت کے کفار کا طرزعمل ہے۔ حضرت مولانا سید اصغرحسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دارالعلوم دیوبند نے ''مفید الوارثین'' میں لکھا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کے واضح اور صریح حکم کو پس پشت ڈال کر ایک کافرانہ رسم پر عمل کرنا کوئی معمولی خطانہیں ہے، نہایت سرکشی اور اعلیٰ درجے کا جرم ہے، بلکہ کفر تک پہنچ جانے کا اندیشہ ہے''۔

علم میراث وفرائض کی اہمیت وفضیلت:

قارئین کرام! آج ہم نے جہاں شریعت کے دیگر علوم سے غفلت برتی ہوئی ہے، وہاں پر علم میراث سے عوام تو عوام، خواص بھی ناواقف ہیں۔ یاد رہے کہ میراث کا علم شریعت میں نہ صرف مطلوب ہے، بلکہ اس کی بہت زیادہ اہمیت بھی ہے، حضور اقدس ﷺ نے اُسے نصف علم قرار دیا ہے۔ دارقطنی میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''تعلموا الفرائض وعلموہ الناس، فإنہ نصف العلم، وھو أول شئ ینسی وھو أول شئ ینتزع من أمتی''۔ (کتاب الفرائض رقم:۱)

ترجمہ: ۔’’اے لوگو! فرائض (میراث) کے مسائل سیکھو، بے شک وہ نصف علم ہے اور وہ (میراث کا علم) سب سے پہلے بھلا یا جائے گا اور وہ سب سے پہلے میری امت سے اٹھایا جائے گا۔

بہت سارے دیندار کہلانے والے لوگ جو نماز، روزہ اور دیگر اسلامی احکام کے پابند تو ہوتے ہیں، ان کو ادھر اُدھر بہت ساری باتیں، قصے، کہانیاں تو یاد رہتی ہیں، لیکن میراث کا کوئی ایک مسئلہ بھی ان کو معلوم نہیں، یہ انتہائی درجہ غفلت کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس غفلت سے محفوظ رکھے۔

ورثاء کے لئے مال چھوڑنا:

یہ بات یاد رکھیں کہ اپنی اولاد اور ورثاء کے لئے مال چھوڑنا بھی ثواب کا کام ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ: ’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں فتح مکہ والے سال ایسا بیمار ہوا کہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ گویا ابھی موت آنے والی ہے۔ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے، تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس بہت سا مال ہے، میری صرف ایک ہی بیٹی کو میراث کا حصہ پہنچتا ہے، تو کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: آدھے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تہائی کی وصیت کر سکتے ہو اور تہائی بھی بہت ہے، پھر فرمایا:

’’إن تدع ورثتک أغنیاء، خیراً من أن تدعھم عالۃ یتکفّفون الناس فی أیدیھم‘‘۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، رقم: ۲۷۴۲)

ترجمہ: ’’تم اپنے ورثاء کو مالداری کی حالت میں چھوڑ جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگدستی کی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں‘‘۔

آخر میں ایک دفعہ مکرر یہ گزارش ہے کہ یتیموں، عورتوں، اور بیٹیوں کو میراث اور جائیداد میں حصے سے محروم کرنا بہت بڑا جرم ہے اور گناہ ہے، قانونِ خداوندی سے بغاوت کے مترادف ہے، اس بارے میں کسی قسم کے حیلوں اور بہانوں کا سہارا نہ لیا جائے، بلکہ جو شرعی حصہ داروں کا حق بنتا ہے، وہ ان کے سپرد کر دیا جائے، ہاں! اگر اپنے حصہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ اپنی رضا و رغبت سے کچھ، یا سارا کسی کو دینا چاہے تو اس کے لئے لینا جائز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں پورے دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور میراث کے حوالے سے پائی جانے والی غفلتوں سے درگزر فرما کر اس کے ازالے کی ہمت عطا فرمائے، امت مسلمہ کی تمام پریشانیوں اور مشکلات کو آسانیوں اور عافیتوں میں بدل دے۔ آمین۔

علوم شرعیہ کے حصول میں علمِ معقول (منطق) کی اہمیت!

مولانا عزیز احمد یوسف زئی،
استاذ شارخ جامعہ بہار کالونی

منطق یہ ''نطق ینطق'' باب ''ضرب یضرب'' سے مصدر میمی یا اسم ظرف ہے، اگر مصدر میمی ہوتو اس کا معنی ہوگا: بولی، گفتگو، گویائی اور اگر اسم ظرف ہوتو اس کا معنی ہوگا: بولنے کی جگہ۔

منطق کا اصطلاحی معنی ہے:

''ألة قانونيّة تعصم مراعاتها الذهن عن الخطأ في الفكر''۔

ترجمہ:۔''منطق ایسا قانونی آلہ ہے جس کی رعایت کرنا ذہن کو فکری غلطی سے بچاتا ہے''۔

یوں تو ہر انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر بات کو دلیل کے آئینے سے دیکھتا ہے، معاملہ کے ہر پہلو کو مختلف پیرایوں سے ذہن میں ترکیب دیتا ہے، پھر ایک راہ متعین کر لیتا ہے، یہی منطق ہے، لیکن اس کا باقاعدہ اظہار سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے معجزانہ طریقے سے کر کے اپنے مخالفین کو ساکت و عاجز کیا، اس کے بعد حکیم افلاطون (المتوفی ۴۲۱ ق م) نے منطق کو وضع کیا، لیکن یہ تدوین نامکمل تھی، اس کے بعد حکیم ارسطا طالیس (ارسطو) (المتوفی ۴۲۲ ق م) نے اسکندر رومی کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۳۳۲ سال قبل منطق کو کامل طور پر یونانی زبان میں مدون کیا اور ''معلم اول'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۹۸ھ میں مامون الرشید کے زمانے میں یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو منصور بن زح سامانی نے حکیم ابونصر محمد بن طرقان فارابی کو دوبارہ تدوینِ منطق کا حکم دیا، اسی لئے فارابی کو''معلم ثانی'' کہا جاتا ہے۔مگر ان کی تحریریں کچھ منتشر تھیں، اس وجہ سے سلطان مسعود نے شیخ ابوعلی حسین بن عبد اللہ بن سینا المعروف بوعلی سینا (المتوفی ۴۲۷ھ) کو منطق کی تدوین کا حکم دیا، انہوں نے منطق کو انتہائی بسط وتفصیل کے ساتھ تیسری دفعہ مدون کیا اور فارابی کی تصانیف سے استفادہ کر کے اٹھارہ جلدوں میں''الشفاء'' جیسی عظیم المرتبت کتاب لکھی اور''معلم ثالث'' اور شیخ المنطق جیسے القابات سے ملقب ہوئے۔

مسلمانوں کو تقریباً پہلی دوصدیوں تک یونانی علومِ منطق وفلسفہ کا کوئی علم نہ تھا، لیکن تیسری

صدی ہجری میں جب اسلام کے حلقہ بگوشوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عجم بھی جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو یونانی فلاسفہ مشرک اور بت پرست عقلی راہ سے اسلام پر حملہ آور ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اعتراضات کرنے لگے۔ اہل حق اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے چاق وچوبند ہوگئے، تاکہ انہیں ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اس فن کی اصطلاحات اور طریقۂ استدلال سے شناسائی حاصل کی جائے۔ اس وقت سے اُسے سیکھنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، چنانچہ امام غزالیؒ نے اس فن کو کام میں لایا اور اصولِ فقہ کی کتاب ''المستصفی'' میں منطق کے اصول داخل کئے، پھر آخر عمر میں ان پر تصوف کا غلبہ ہوا تو انہوں نے منطق پر رد کرکے ''تهافة الفلاسفة'' لکھی اور ایک صدی تک فلسفہ ومنطق کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کرکے اس علم کو نیم جان کردیا، پھر ابن رُشد نے امام غزالیؒ کے رد میں ''تهافة التهافة'' لکھی اور علم منطق کو پھر سے حیات بخشی۔

متقدمین کے نزدیک علم منطق آلہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتا تھا، مقصود بالذات نہ تھا، بلکہ علوم نقلیہ کے حصول کے لئے ذریعہ تھا اور پہلے اس میں بہت سی بے کار اور فضول ابحاث تھیں، جیسا کہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: '' مناطقۂ متقدمین عالم کے حدوث کے قائل نہ تھے، ان کا مشہور مقولہ ہے:

''العالم مستغن عن المؤثر، وكل ماهذا شأنه فهو قديم، فالعالم قديم''

یعنی'' عالم کسی مؤثر (کے اثر) سے مستغنی ہے اور جو چیز ایسی ہو وہ قدیم ہوتی ہے، لہٰذا عالم قدیم ہے''۔ اور یہ لوگ اس کے بھی قائل تھے کہ اس عالم کے اوپر دوسرا عالم نہیں ہے، گویا یہ آخرت کا انکار ہوا اور یہ لوگ حشر اجساد کی بھی نفی کرتے تھے''۔

اس لئے بعض حضرات نے منطق کی افادیت کا انکار کرتے ہوئے اس کی مخالفت میں کتابیں لکھیں، بلکہ بہت سے حضرات نے تو منطقِ ارسطو کی تردید کرکے ان کے خیالات کو غلط ثابت کرنے کے لئے کتابیں لکھیں، جیسے: تیسری صدی میں حسن بن موسیٰ نوبختی نے ''كتاب الآراء والديانات'' لکھی اور اس میں ''ارسطو'' کی منطق کے بعض اہم مسائل کا رد کیا۔ چوتھی صدی میں امام ابوبکر باقلانیؒ نے ''دقائق'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں متقدمین کی منطق کا رد کیا اور یونانیوں کی منطق پر اہل عرب کی منطق کی ترجیح ثابت کی۔ پانچویں صدی ہجری میں علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ (صاحب الملل والنحل) نے ''برقلس'' اور ''ارسطو'' کی تردید میں ایک کتاب تالیف کی اور قواعد منطق کے مطابق ان پر دلائل نقض کیا اور اسی صدی کے آخر میں امام غزالیؒ نے ''تهافة الفلاسفة'' لکھی۔ چھٹی صدی ہجری میں ابوالبرکان بغدادیؒ نے اس سلسلے کو بڑی ترقی دی اور ''المعتبر'' کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی، جس میں اکثر مسائل میں ''ارسطو'' کے خیالات کو غلط ثابت کیا، البتہ متاخرین نے اس فن میں کافی تغیرات کرکے فضول ابحاث کو نکالا اور

اس کو ایک مستقل علم کی حیثیت سے متعارف کرایا، علم منطق کی اس مختصر سی تاریخ کے بعد آیئے! ذرا اس کی شرعی حیثیت پر نگاہ ڈالیں۔

علمِ منطق کی شرعی حیثیت:

احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی علم خواہ کسی بھی زبان وقوم سے تعلق رکھتا ہو، اُس کا سیکھنا مباح، بلکہ بعض اوقات ضروری اور واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ شارح ''میزان المنطق'' فرماتے ہیں:

''عقلی طور پر یہ بات ثابت اور مسلم ہے کہ آیات قرآنیہ اور آثارِ نبویہ سے استدلال کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے، اب مذکورہ طریقے سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت کا حصول علم منطق پر موقوف ہے، لہٰذا ''مقدم الواجب واجب'' کے قاعدے سے علم منطق کا سیکھنا سکھانا واجب ہے''۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ:

''علم منطق میں دلائل و براہین اور تعریفات وحدود کے شرائط وعلل سے بحث ہوتی ہے اور ان چیزوں کی معرفت واجب الکفایہ ہے، لہٰذا علم منطق کا سیکھنا بھی واجب علی الکفایہ ہوگا اور جن کتب میں اس کی ممانعت ہے، اس سے مراد وہ منطق ہے جس میں معتزلہ وفلاسفہ و دیگر فِرَق ضالہ کے بے فائدہ شبہات وفضولیات ہیں''۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ: ''علم منطق کی مثال تلوار و بندوق کی ہے، اگر ان کے خریدنے کا مقصد قتل ناحق، رہزنی وغارتگری، مجادلہ ومکابرہ اور دین اسلام کے مقرر کردہ اصول وضوابط کا رد وابطال ہو تو سیکھنا ناجائز ہے، ورنہ جائز، بلکہ ضروری ہے''۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

'' اگر علم دین کے ساتھ منطق اس غرض سے پڑھا جائے کہ اس سے فہم واستدلال میں سہولت ہوتی ہے تو یہ صرف ونحو کی طرح جائز ہے اور اگر ابطالِ شرع کا کام لیا جائے تو پھر ناجائز اور تلبیسِ ابلیس شقی ہے''۔

علمِ منطق پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات:

فقہ کی کتاب ''جامع الرموز'' میں لکھا ہے: ''**یجوز الاستنجاء بأوراق المنطق**'' اس قول کا بطلان اظہر من الشمس ہے، کیونکہ آلات واسبابِ علم کی قدر ضروری ہے۔

علامہ قاضی حمید اللہ خانؒ فرماتے ہیں کہ: یہاں استنجاء سے استنجائے قلب مراد ہے''۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: ''**من تمنطق تزندق**''۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''جو آدمی علم منطق سیکھے، اُس کو اونٹ پر سوار کر کے پورے شہر کا چکر لگوایا جائے اور خوب پٹائی کر کے یہ اعلان کیا جائے کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو کتاب اللہ کو چھوڑ کر فضول بحثوں میں لگ گیا''۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: میں علماء منطق کی نماز جنازہ نہیں پڑھتا''۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے بیٹے حمادؒ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''تم علم منطق میں مشغول نہ ہونا، کیونکہ یہ عمر کو ضائع و برباد کردے گا''۔

محدث صوفی عبد اللہ انصاری ہرویؒ کے نزدیک علماء منطق میں عدالت نہیں ہے، اس لئے ان سے حدیث روایت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ: ''اگر کوئی آدمی علماء اسلام کے لئے اپنے مال کی وصیت کرے تو اس میں علماء منطق شامل نہ ہوں گے''۔

ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ: الٰہیات میں مناطقہ وفلاسفہ کا قول معتبر نہیں ہے''۔

امام غزالیؒ آخری عمر میں علم منطق وفلسفہ سے اعراض کر کے علم حدیث کے ساتھ اس طرح مشغول ہو گئے تھے کہ وفات کے وقت صحیح بخاری ان کے سینہ پر تھی اور علم منطق کے متعلق انہوں نے مستقل کتاب ''**إلجام العوام عن الکلام**'' لکھی ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ: ''ہمیں پوری زندگی میں علم منطق وکلام سے ''**قیل وقال**'' کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوا''۔

امام الحرمین ابو المعالی الجوینیؒ فرماتے ہیں کہ: ''اے لوگو! علم منطق وکلام مت سیکھو، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ مجھے کہاں تک پہنچادے گا تو میں علم منطق کبھی حاصل نہ کرتا''۔

امام ابو یوسفؒ ہی کا قول ہے ''**من طلب الدین بالکلام تزندق**''۔

حضرت بہاء الدین مرجانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''مناطقہ کو اربابِ حق اہل السنۃ والجماعۃ اور فرقہ ناجیہ میں سے مت سمجھو، بلکہ یہ لوگ فرق ضالہ میں سے ہیں''۔

ان تمام اعتراضات اور مذمتی اقوال کا جواب یہ ہے کہ علماء کا یہ تاثر اور نظریہ قدماء کی منطق کے بارے میں تھا، جس میں کچھ خرافات اور بہت سی فضول ابحاث تھیں۔ متاخرین کی منطق ان دونوں چیزوں سے پاک ہے، اس لئے اس کی طرف ان میں سے ایک قول بھی متوجہ نہ ہوگا۔

منطق کے مستحسن نہ ہونے پر قاضی ابو المعالیؒ کے فتویٰ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ شاہ

توران عبد اللہ ازبک کے زمانہ میں ملا عصام الدین نے علم منطق کو فروغ دیا اور جب اس کا خوب چرچا ہوا تو قاضی ابوالمعالیؒ نے فتویٰ دیا کہ علم منطق کا سیکھنا سکھانا حرام ہے اور اس فتویٰ کی وجہ سے شاہ توران نے ملا عصام الدین کو اپنے تلامذہ سمیت ماوراء النہر کی طرف جلا وطن کر دیا۔ اگر علم منطق کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان کو جلا وطن نہ کیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ملا عصام الدین کے بعض شریر تلامذہ راستہ میں سادہ لوح انسان کو پکڑ کر یوں کہتے تھے کہ تو انسان نہیں ہے، بلکہ گدھا ہے، کیونکہ تجھ سے لاحیوان سلب ہے اور سلب عام سلب خاص کو مستلزم ہے، لہذا تجھ سے ناطقیت سلب ہے اور جس سے ناطقیت سلب ہو وہ حیوان ہوتا ہے اور گدھا بھی حیوان ہے۔ اس شرارت کی بناء پر شاہ توران نے مجبوراً ملا عصام الدینؒ کو مع تلامذہ کے جلا وطن کر دیا تھا۔

علامہ عبد العزیز فرہاریؒ شرح عقائد کی شرح ''نبراس'' میں لکھتے ہیں کہ:

''علماء حضرات نے علم منطق کے متعلق جو لکھا اور اس کی تعلیم سے روکا، وہ چار قسم کے لوگوں کے لئے ہے: ایک: وہ حضرات جو متعصب فی الدین ہونے کے ساتھ ساتھ حق کی اطاعت نہیں کرتے، جب اس قسم کے لوگ علم منطق وکلام سیکھیں گے تو ان کے تعصب میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ دوسرے: وہ حضرات جن کی قوت عاقلہ تیز نہیں ہے اور منطق کے حقائق تک ان کو رسائی نہیں ہو سکتی، اس قسم کے لوگ جب علم منطق سیکھیں گے تو ایمان خطرے میں ہوگا۔ تیسرے: وہ حضرات جو فلاسفہ ومناطقہ کے دقائق اور غیر ضروری باتوں میں اس طرح گھس جاتے ہیں کہ عقائد اسلامیہ اور محتاج الیہ اشیاء کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چوتھے: وہ حضرات جو عند التعارض منطق کو کتاب وسنت پر ترجیح دیتے ہیں''۔

بہر حال آج بھی اگر اس کے قواعد وضوابط کی رعایت و پابندی کی جائے تو انسان غلطی سے محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اگر کوئی اس کو صحیح عقیدے کے خلاف استعمال کرے تو یہ خود اس کا قصور ہوگا، نہ کہ فن کا۔

عاب المنطق قوم لاعقول لهم
وليس له إذا عابوه من ضرر
عیب نکالا بے عقل لوگوں نے منطق میں
اس میں منطق کا ہوا نقصان کوئی نہیں
وماضر لشمس الضحى والشمس طالعة
أن لايرى ضوءها من ليس ذا بصر
آفتاب طالع کے لئے یہ بات نقصان دہ نہیں

کہ اندھا آدمی روشنی اس کی دیکھے نہیں
گر سمجھ آتی نہیں منطق کی تو گھر جا بیٹھئے
اس لئے کہ یہ بات تیرے بس کی نہیں

اب آیئے! اس طرف نگاہ ڈالتے ہیں کہ علومِ شرعیہ کے حصول میں علم منطق کی کتنی اہمیت ہے؟ چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''علم منطق سے علوم شرعیہ میں عمقِ نظر اور دقتِ فکر پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کو استعداد کے لئے پڑھا جائے تو خدائی نعمت ہے اور اس سے دینیات سمجھنے میں معاونت ملتی ہے، لطیف فرق اس سے سمجھ میں آتے ہیں۔ علوم نقلیہ غذائیں اور علوم عقلیہ دوائیں ہیں، اول الذکر مقاصد میں سے ہیں اور ثانی الذکر ضروریات میں سے ہیں اور ضروریات کو ضروریات کی حد تک استعمال کیا جاتا ہے، اس میں غلو ممنوع ہے''۔

ابونصر فارابیؒ نے علم منطق کو رئیس العلوم کہا ہے، کیونکہ صحت وسقم، قوت وضعف میں منطق جملہ علوم پر حاکم ہے۔ بوعلی سیناؒ نے اس کو ''خادم العلوم'' کہا ہے اور مزید لکھا ہے کہ علم منطق جملہ علوم کے ادراک وتحصیل میں معین ومددگار ہے، جو اس کو نہیں جانتا وہی اس کو چھوڑتا ہے اور اس کی منفعت کا انکار کرتا ہے۔ امام غزالیؒ کا قول ہے: ''**من لم یعرف المنطق فلاثقة له فی العلوم أصلا**''۔ یعنی ''جو منطق نہیں جانتا، اُسے علوم میں پختگی بالکل نہیں ہوتی''۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: ''اس کی حیثیت آلے کی ہے اور آلہ ہمیشہ اس چیز کا تابع ہوتا ہے جس کا اسے آلہ بنایا جائے''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ: ''مگر منطق کہ خادم ہمہ علوم است، خواندنِ آں البتہ مفید است''۔ ترجمہ: ''مگر منطق جو تمام علوم کے لئے خادم ہے، اس کا پڑھنا یقیناً مفید ہے''۔

جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ: ''منطق اور حکمت تھوڑا بہت سیکھ لینا مباح ہے''۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: ''ہم تو جیسا بخاری کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں، ویسے ہی کتبِ منطق کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں''۔ منطق کے فوائد پر نظر ڈالتے ہوئے علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ: ''یہ اعم العلوم ہے، کیونکہ اس کے ذریعے جاہل، عالم، دیہاتی شہری سب کے اندر قوت گویائی پیدا ہوتی ہے''۔

منطق تو منطق ہے اس کے ماہر کم ملتے ہیں
ورنہ جاہل تو ہر راہ میں دم بدم ملتے ہیں

اب آیئے! قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں منطق کے طرزِ استدلال کی جو آیات واحادیث ہیں وہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، چنانچہ خلفائے راشدینؓ کی صداقت وحقانیت اسی منطق کے ذریعے قرآنی آیات سے ثابت کی جاسکتی ہے:

قرآن سے پہلی مثال:

''اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰا هُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ''۔آیت میں ''اَلَّذِیْنَ '' سے خلفائے راشدینؓ مراد ہیں۔''اِنْ مَّکَّنّٰا هُمْ فِی الْاَرْضِ '' مقدم ہے''اَقَامُوا الصَّلٰوةَ '' تا آخرالآیۃ تالی ہے اور مقدم اور تالی کے درمیان لزوم کا علاقہ ہوتا ہے، اب خلفاء راشدینؓ کے لئے جب مقدم ثابت ہے (یعنی ان کو حکومت ملی) تو تالی (یعنی اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) بھی ان کے لئے ثابت ہوگا۔

قرآن سے دوسری مثال:

''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ'' صغریٰ ہے۔''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا'' کبریٰ ہے۔''فللعماء جنتان'' نتیجہ ہے۔

حدیث کی مثال:

''کل بدعة ضلالة''صغریٰ ہے،''کل ضلالة فی النار'' کبریٰ ہے،''البدعة فی النار'' نتیجہ ہے۔

ان تمام دلائل وشواہد وبراہین سے معلوم ہوا کہ علم منطق کا حصول ضروری ہے۔علم منطق اگر چہ علوم مقصودہ میں سے نہیں، لیکن مفید ہے اور علوم آلیہ میں سے ہے۔ یہ مبتدیوں کے لئے تربیت ہے اور کاملین کے لئے تکمیل فکر ہے۔ اس کے ذریعے تعقل، ذہنی ورزش اور تشحیذ اذہان ہوتی ہے۔ عقلیت پسند ملحدین اور فلاسفہ کا رد اسی کے ذریعے ممکن ہے۔ ذہنی نظم، فکری کاوش اور سلف کے علمی ذخیرے سے استفادہ اسی کے ذریعے ممکن ہے۔ ملحدین، مستشرقین اور عقل پرستوں کے اسلام پر نظریاتی حملوں کا جواب اور ان کے دلائل کی کاٹ اور ان کے قائم کردہ شبہات کے قلعوں کو ریت کی دیوار ثابت کرنے کے لئے ''وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ،، پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس فن کو اپنے سینے سے لگا کر اس کو اپنا حق دلانا ہوگا۔

العلم للرحمن جل جلاله
وسواه فی جهلاته یتغمغم
ما للتراب وللعلوم وإنما
یسعی لیعلم أنه لایعلم

اقوالِ زریں امام غزالیؒ قدس سرہ

(۲)

ترتیب: مولانا قاری عطاء الرحمن اعوان

حضرت امام غزالیؒ قدس سرہ کا اپنے شاگرد کو خط کا جواب اور امام الزاہدین، سراج السالکین حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے کئے گئے اُس کے ترجمہ سے انتخاب۔

فائدہ:

اگر کوئی شخص دن رات کتابوں کے مطالعہ اور تکرار میں مصروف رہتا ہے، مگر اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ بڑا عالم مشہور ہو جائے اور اہم عہدوں پر اس کی تقرری ہو جائے، اور دنیا حاصل ہو جائے تو یہ ساری محنت تباہی و بربادی کا ذریعہ ہے اور اگر اس محنت سے مقصد یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دین کی سربلندی ہو، شریعت محمدیہ زندہ ہو، اخلاقِ نبوی کی اشاعت ہو، تو یہ محنت قابلِ مبارک باد ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے: ترجمہ...... تیرے دیدار کی طلب کے بغیر کسی اور مطلب کے لئے راتوں کا جاگنا بربادا ور فضول ہے اور آنکھوں کا تیری زیارت کے بغیر کسی اور کے لئے آنسو بہانا بے کار اور باطل ہے۔

۱۰...... قبر میں چالیس سوالات:

۱...... ارشادِ نبوی: ''انسان جتنا بھی زندہ رہے، آخر اس نے مرنا ہے اور جس چیز کے ساتھ اس کی محنت ہے، آخر اس کو چھوڑنا ہے۔ اور جو بھی عمل کرے گا اس کے مطابق جزا پائے گا، دنیوی علوم میں غایت درجہ انہماک واشتغال اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال سے غافل کر دے تو عمر ضائع ہوگئی۔

۲...... میں نے (امام غزالیؒ) انجیل میں خود پڑھا ہے کہ ''قبر میں اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے بہ نفسِ نفیس خود چالیس سوالات فرماتے ہیں، جن میں سے پہلا یہ ہوتا ہے: اے میرے بندے!'' تو نے لوگوں کے سامنے جانے کے لئے تو کئی سال اپنے بدن کی زیب و زینت میں لگا دیئے، میرے سامنے پیش ہونے

کے لئے بھی کچھ وقت نکالا؟

۳......روزانہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے دل کی گہرائی میں یہ صدا آتی ہے، اگر چہ تو اُسے نہ سن سکے: ''اے میرا بندہ! تو مجھے چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ تو اپنے تعلقات مضبوط کرنے کی فکر میں ہے، حالانکہ تمہاری یہ خوبی تو میری ہی رحمت کا اثر ہے۔

۴......علم بغیر عمل کے دیوانگی ہے اور عمل بغیر علم کے بیگانگی ہے۔ علم اگر گناہوں سے روک کر اللہ تعالیٰ کا فرمانبردانہ نہ بناسکا تو قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے بھی نہیں بچا سکے گا، اگر آج گناہوں سے توبہ نہ ہوسکی تو قیامت کے دن کہنا پڑے گا: اے اللہ! ہم کو دنیا میں بھیج، تاکہ نیک اعمال کریں۔ (المؤمنون:۹۹-۱۰۰)

۵......اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگانا ضروری ہے، ایک دن یہ بدن سے بھاگ جائے گی، کیونکہ دنیا کا قیام تو صرف موت تک ہے، پھر قبر میں جانا ہے تو قبر میں بغیر زادراہ کے نہیں جانا چاہئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''انسانوں کے بدن یا تو پرندوں کے گھونسلے ہیں یا چار پایوں کے اصطبل ہیں''۔

۱۱......جسم زمین کی اور روح آسمان کی چیز ہے:

۱......جس نے اپنی زندگی پرندوں کی طرح گزاری تو اُسے یہ نغمہ سنایا جائے گا: ''اے اطمینان والی روح! اپنے رب کی طرف واپس آجا، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے''۔ (الفجر: ۲۷ تا ۲۸) روح بدن والے پنجرہ سے اڑکر اونچی جگہ جابیٹھے گی، جیسا کہ سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کی موت پر ارشاد فرمایا کہ: ''اس کی موت پر اللہ تعالیٰ کا عرش حرکت میں آگیا ہے اور جس نے اپنی زندگی چار پایوں کی طرح گزاری تو اسے دوزخ کے لئے تیار رہنا چاہئے''۔

۲......حضرت حسن بصریؒ کا دنیا کی زندگی میں آخرت کا فکر اس طرح تھا کہ ان کی خدمت میں ایک مرتبہ ٹھنڈے پانی کا پیالہ پیش کیا گیا تو پیالہ ہاتھ سے گر گیا اور وہ بے ہوش ہوگئے، ہوش آنے کے بعد پوچھنے پر بتایا کہ مجھے جہنمیوں کی وہ فریاد یاد آگئی جو وہ جنت والوں سے کریں گے کہ: ''ہم پر پانی ڈالو یا وہ نعمت ہمیں دو جو تمہیں دی گئی ہے''۔ (اعراف: ۵۰) مجھے اس ٹھنڈے پانی کو ہاتھ لگانے سے وہ نقشہ بے ہوش کر گیا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے)

۳......اگر علم بغیر عمل کے کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سحری کے وقت یہ صدا نہ لگتی، کیا کوئی مانگنے والا ہے؟ کیا کوئی بخشش کا طلب گار ہے؟ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے؟

جس گوشت کو حرام رزق پیدا کرے، وہ آگ کے لائق ہے۔ (حاکم)

مقبولِ عام مشہور ترین مواعظ جمعہ کی کتاب

حضرت بنوریؒ، حضرت درخواستیؒ، حضرت بہلویؒ، حضرت شیخ القرآنؒ

کے شاگرد

مولانا حافظ مشتاق احمد عباسی کی تصنیف و تالیف

خطبات و مواعظ جمعہ

شائع ہوگئی ہے

موقع اور وقت کی مناسبت سے سال بھر کے

ہر جمعہ کی مفصل و مدلل آسان تقریر اور وعظ

صفحات 708

ہدیہ: 300 روپے
علاوہ ڈاک خرچ

ناشر

ادارہ صدیقیہ نزد حسین ڈی سلوا

گارڈن ویسٹ، کراچی، فون: 32220334

تصویر کی حرمت

قرآن وسنت کی روشنی میں (۲)

جناب یحییٰ دادخوستی صاحب

حدیث:۶..... ''عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال: **من تحلم بحلم لم یره کُلّف أن یعقد بین شعیرتین ولن یفعل ومن استمع إلی حدیث قوم وهم له کارهون أو یفرون منه صب فی أذنیه الآنک یوم القیامة ومن صوّر صورةً عذب وکلف أنْ ینفخ فیها ولیس بنافخ''.**

(بخاری، ج:۲،ص:۱۰۴۲)

ترجمہ:۔''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایسا خواب بیان کرے جو اس نے سرے سے دیکھا ہی نہیں ہو، اس کو حکم دیا جائے گا کہ دو جوؤں میں گرہ لگائے اور وہ ہرگز یہ کام نہیں کر سکے گا اور جو شخص ایسی قوم (یا فرد) کی باتیں سننے کے لئے کان لگائے جو لوگ اسے پسند نہیں کرتے ہوں یا وہ اس سے بھاگتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا سیسہ ڈالا جائے گا اور جو شخص کوئی تصویر بنائے گا، اُسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ اب اس تصویر میں روح ڈالو اور وہ کبھی بھی اس میں روح نہیں ڈال سکے گا''۔

حدیث:۷..... ''عن سعید بن أبی الحسن قال: **کنت عند ابن عباسؓ إذا أتاه رجل، فقال: یا ابن عباسؓ! إنی إنسان إنما معیشتی من صنعة یدی وأنی أصنع هذه التصاویر، فقال: لاأحدثک إلا ما سمعت رسول الله ﷺ یقول، سمعته یقول: من صوّر صورةً فإن الله معذبه، حتیٰ ینفخ فیها الروح ولیس بنافخ فیها أبدا، فربا الرجل ربوةً شدیدةً واصفرّ وجهه فقال: ویحک إن أبیت إلا أن تصنع، فعلیک بهذا الشجر وکل شیٔ لیس فیه روح''** (بخاری،ج:۱،ص:۲۹۶)

ترجمہ:۔''حضرت سعید بن ابی الحسنؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اے ابن عباس! میں ایک ایسا شخص ہوں کہ میرا ذریعہ معاش ہاتھوں کا ہنر ہے اور میں یہ تصویریں بناتا ہوں (یعنی کیا یہ ذریعہ معاش جائز ہے؟) حضرت

ابن عباسؓ نے فرمایا: میں تمہیں وہی بات بتاؤں گا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، میں نے آپ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص تصویریں بنائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا، جب تک کہ وہ اس میں روح نہ پھونک دے اور وہ اس میں کبھی بھی روح نہ پھونک سکے گا، اس پر وہ شخص سوچ گیا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ارے! اگر تمہیں تصویریں ہی بنانی ہیں تو ان درختوں کی اور ہر ایسی چیز کی تصویر بناؤ جس میں روح نہ ہو''۔

حدیث:۸...... ''عن عائشةؓ زوج النبی ﷺ...... أنها اشترت نُمرقة فيها تصاوير، فلما رآها رسول الله ﷺ قام على الباب، فلم يدخل فعرفت في وجهه الكراهية، فقالت يا رسول الله! أتوب إلى الله وإلى رسوله، ماذا أذنبتُ؟ قال مابال هذه النمرقة؟ قالت: اشتريتها لتقعد عليها وتوسدها، فقال رسول الله ﷺ: إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ويقال لهم: أحيوا ما خلقتم وقال: إن البيت الذي فيه الصور لاتدخله الملائكة''. (بخاری، ج:۲،ص:۸۸۱)

ترجمہ:۔ ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک ایسا گدا خرید لیا تھا جس میں تصاویر تھیں، رسول اللہ ﷺ نے جب ان تصویروں کو دیکھا تو دروازے پر رک گئے، گھر میں داخل نہیں ہوئے، میں نے عرض کیا کہ: میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ گدا کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: یہ آپ کے بیٹھنے اور تکیہ لگانے کے لئے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا کہ جو صورتیں تم نے پیدا کی ہیں، ان میں جان بھی ڈالو اور فرشتے اس مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصاویر ہوں''۔

۹......عن أبي طلحةؓ قال: إن رسول الله ﷺ قال: لاتدخل الملائكة فيه كلب ولا تصاوير''. (بخاری، ج:۲،ص:۸۸۰)

ترجمہ:۔ ''حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں''۔

۱۰......عن سالم عن أبيه قال: وعد النبي ﷺ جبريل فراث عليه، حتى اشتد على النبي ﷺ، فخرج النبي ﷺ فلقيه فشكا إليه ما وجد، فقال له: إنا لاندخل بيتا فيه صورة ولا كلب''۔ (بخاری، ج:۲،ص:۸۸۱)

ترجمہ:...... ''سالم اپنے والد عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے ملنے کا وعدہ کیا، لیکن اُنہیں دیر ہوگئی، آپ ﷺ پر یہ بات شاق گذری تو آپ ﷺ باہر نکلے، وہاں جبرئیلؑ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے اپنی تکلیف (انتظار وغیرہ) کی شکایت کی، اس پر جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں یا کتا ہوں''۔ (جاری ہے)

حضرت آپا جان رحمۃ اللہ علیہا

زوجۂ محترمہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

قاری تنویر احمد شریفی، کراچی

امامنا وسیدنا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی تیسری اہلیہ محترمہ (والدہ ماجدہ مرشدی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی قدس سرہ) کا انتقال ۱۸، ۱۹/ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ/ ۴، ۵/ نومبر ۱۹۳۶ء کی درمیانی شب میں دہلی میں ہوا، حضرت شیخ الاسلامؒ میت دہلی سے دیوبند لائے اور قبرستان قاسمیؒ میں تدفین ہوئی۔

اس حادثے کے ایک ہفتے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ دیوبند سے سلہٹ کے لئے روانہ ہوگئے، رمضان المبارک عموماً سلہٹ میں گزارتے تھے، راستے میں اپنے آبائی وطن ٹانڈہ میں دو ایک روز کے لئے قیام فرمایا اور اسی دوران اپنے چچا زاد بھائی کے یہاں چوتھا عقد مسنون ہوا، اس کی تفصیل حضرت شیخ الاسلامؒ کے قلمِ مبارک سے اس طرح ہے:

''میں جناب (مولانا عبد الماجد دریابادیؒ) سے ریل میں جدا ہوکر شب میں ٹانڈہ پہنچا۔ وہاں میرے تائے زاد بھائی محمد بشیر صاحب کی لڑکی دو سال سے بیوہ تھی، اس کو نکاح کے دو تین سال کے بعد بیوگی کا منہ دیکھنا پڑ گیا تھا۔ صرف ایک بچی پیدا ہوئی تھی، جو کہ تھوڑے ہی دنوں زندہ رہ کر راہیٔ ملکِ بقا ہوگئی تھی۔ اس بیوہ کے نکاح کا عرصے سے جھگڑا چلا آتا تھا۔ مختلف مقامات پر اس کے نکاح کے لئے گفتگو ہوئی تھی، مگر کوئی جگہ مناسب ہاتھ نہ آئی تھی۔ میرے احباب نے بغیر میری منشا اور تحریک اس میں تحریک شروع کردی تھی، کیونکہ بھائی محمد ظہیر صاحب جو کہ بھائی محمد بشیر صاحب کے بڑے بھائی ہوتے ہیں، بہ طور تعزیت دیوبند گئے تھے۔ میں اس جگہ کو غیر مناسب نہیں سمجھتا تھا، بالخصوص اس بنا پر کہ اپنے گھر ہی کا معاملہ ہے، اگرچہ اس وجہ سے کہ میں اس وقت ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ رہا ہوں اور لڑکی کی عمر تقریباً بائیس سال ہے، عدم تناسب بھی تھا، مگر اتحاد خاندانی اور اس کی بیوگی اور کسی موزوں جگہ کا ہاتھ نہ آنا، کیونکہ جن جگہوں سے اس کے رشتے آرہے تھے، ان کی بیویاں موجود

تھیں، مگر وہ اپنی بیویوں سے خوش نہ تھے، وغیرہ امور اس امر کے متقاضی ہوئے کہ اس کو منظور کروں۔ میں نے استخارہ کیا، اس سے پہلے دیوبند میں اور دوسری جگہوں میں آٹھ نو جگہ سے پیغام کنواری اور بیوہ لڑکیوں کے لئے آیا تھا، مگر میں نے توقف کیا تھا۔ بہرحال صبح بہ روز دوشنبہ (پیر) ۳۰رشعبان میرے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا، لڑکی کے تائے نے ظاہر کیا کہ گھر میں سب لوگ راضی ہیں، جب تو (مولانا حسین احمد مدنیؒ) سلہٹ سے واپس ہو تو عقد کر کے ساتھ لیتے جانا۔ میں نے ان کو نشیب وفراز پر متنبہ کیا، بالخصوص اپنی عمر کے متعلق، چونکہ وہ ہمارے خاندان میں مردوں میں سب سے زیادہ عمر والے ہیں، ہم بھائی ان کے سامنے بچے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں بہ خوبی واقف ہوں اور جملہ امور پر کافی غور کر چکا ہوں اور گھر میں بھی عورتوں، مردوں نے غور کرلیا ہے۔ تب میں نے کہا کہ اگر لڑکی اور اس کی ماں وغیرہ راضی ہیں تو کیوں نہ عقد ابھی کر دیا جائے، میں عقد کر دینے کے بعد اسی وقت چلا جاؤں گا اور واپسی پر لیتا جاؤں گا، جو لوگ مجھ کو اپنی محبت کی وجہ سے مختلف مقامات سے پیغام دیتے اور تحریک کر رہے ہیں، ان لوگوں کو مزید حاجت نہ رہے گی، بہت سے جھگڑے بند ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا تذکرہ نہیں آیا ہے، میں مشورہ کر کے خبر دیتا ہوں۔ الحاصل انہوں نے مشورہ لیا اور چھوہارے منگا کر اس مجمع میں جس میں کچھ احباب ملنے کی غرض سے آئے تھے، مہر فاطمی پر عقد کر دیا۔ اس کے بعد وحید (حضرت مولانا وحید احمد مدنیؒ حضرت شیخ الاسلامؒ کے بھتیجے تھے، حضرت مولانا صدیق احمد مدنیؒ کے صاحب زادے! شریفی) اور اس کے خسر وغیرہ کا اصرار ہوا کہ ایک شب یہاں قیام کرلیا جائے۔ زیادہ اصرار پر بجز اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا، چنانچہ یکم رمضان سہ شنبہ (منگل) کو میں ٹانڈہ سے روانہ ہوگیا۔ جو حالت مشاہدہ ہوئی مجھ کو قوی امید ہے کہ یہ عقد باعثِ طمانیت خاطر ہوگا۔ آئندہ جو قضائے الٰہی ہیں، اس میں دم مارنے کی جگہ نہیں ہے۔

اسعد بہ خیریت ہے، اپنی نئی اماں سے بہت زیادہ مانوس ہوگیا ہے، حتی کہ اس نے یہاں کی عورتوں سے کہا کہ مجھ کو اپنی نئی اماں سے اس قدر محبت ہوگئی ہے کہ اب مجھ کو پہلی اماں کی یاد نہیں ستاتی اور اس کو بھی اسعد (مرشدی حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی عمر اس وقت تقریباً ساڑھے سات سال تھی۔ شریفی) کے ساتھ گرویدگی ایسی معلوم ہوئی جو کہ اپنے بچے سے ہوتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ''۔

(۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ/ ۶ر دسمبر ۱۹۳۶ء) (مکتوبات شیخ الاسلامؒ: ج:۱، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، مطبوعہ: کراچی ۱۹۹۵ء)

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ جیل میں مقید تھے، مرشدی حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی شادی کی فکر حضرتؒ کو ہوئی تو اپنی اہلیہ محترمہ آپا جانؒ کو تحریر فرمایا:

''میری رفیقۂ حیات! تم کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سلامت اور خوش وخرم رکھے، آمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ۱۳؍ رجب (۱۳۶۳ھ/ ۴؍ جولائی ۱۹۴۴ء) کا پہنچا۔ اس سے پہلے میں نے ۲۲؍ رجب کو خط لکھا ہے، وہ پہنچا ہوگا، جس میں اطلاع دی تھی کہ اس وقت ممکن نہیں ہے کہ میں آسکوں، اس لئے تم میرا انتظار ہرگز مت کرو اور جلد دیوبند روانہ ہوجاؤ، اگر ابھی تک یعنی اس خط کے پہنچنے تک تم روانہ نہ ہوئی ہو تو اب جلد روانہ ہوجاؤ، بھاوج صاحبہ (تمہاری اماں) کا ساتھ جانا بہت بہتر اور مناسب ہے، تمام امور میں آسانیاں رہیں گی، مگر ان کو کم از کم عید تک وہاں ہی رہنا چاہئے۔ ایسی کیا جلدی ہے کہ شادی ہونے کے بعد ہی واپس ہوجائیں۔ الہداد پور میں تمام ضروریات تمہاری بھاوج اور بوبو انجام دیتی رہی گی۔ تم غلط اور فضول خیال کرتی ہو کہ شادی میں میرا موجود ہونا ضروری ہے، تمہارا موجود ہونا اسعد اور عائشہ دونوں کے لئے کافی ہے۔ (عائشہ! حضرت شیخ الاسلامؒ کی دوسری صاحب زادی جو مولانا عبدالحی صاحب کے نکاح میں ہیں۔ شریفی) شادیوں کا تمام انتظام عورتیں ہی کرتی ہیں، تو اسعد کی بھی ماں ہو اور عائشہ کی بھی۔ بیرونی انتظامات قاری صاحب (حضرت مولانا قاری اصغرعلی صاحبؒ خادم خاص وخلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلامؒ۔ شریفی) اور منشی شفیع صاحب اور دوسرے لوگ کرلیں گے۔ میرا موجود ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں اور بالخصوص اس مہنگائی کے وقت میں تو کوئی خاص انتظام ہو بھی نہیں سکتا۔ سب کام نہایت اختصار اور سادگی سے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہو اس پر انسان کو خوشی سے راضی رہنا چاہئے، ورنہ بمجبوری راضی ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تو انبیاء علیہم السلام کو سر جھکانا پڑتا ہے اور بغیر ماننے کے چارہ نہیں ہوتا۔ اولیاء اللہ کو کون پوچھتا ہے؟! اور جب ایسے ایسے بڑوں کا یہ حال ہے تو ہم جیسے گنہگار دنیا کے کتے کس شمار میں ہوسکتے ہیں؟۔ تمہارا یہ کہنا کہ تو دعا نہیں کرتا، تو خود ہمارے پاس آنا نہیں چاہتا، تو خود رہائی نہیں چاہتا، بالکل غلط ہے، کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی کسی دنیاوی اور آخرت کی مصیبت پر خوش نہیں ہوسکتا، جب کہ ایک معمولی سمجھ کا بچہ بھی گوارا نہیں کرسکتا ہے کہ اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں یا کسی مکان میں اس کو منتقل کردیا جائے، تو میں کس طرح اس پر خوش ہوجاؤں گا اور مصائب کو گوارا کروں گا؟ دعا نہ کروں گا؟ ایسی صورتوں میں تو اگر نہ بھی چاہے تب بھی دل سے دعا نکلے گی، مگر واقعہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے جب کہ بڑوں بڑوں کی پیش نہیں جاتی تو ہم جیسے نالائق لوگوں کی بات کس طرح چل سکتی ہے؟۔ غرضیکہ تمہارا خیال صحیح نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو ان شاء اللہ! ہم جلد آئیں گے، تم اطمینان اور خوشی خرمی کے ساتھ رہو اور تمام کاموں کو اس طرح انجام دو کہ گویا کسی قسم کا تکدر اور حزن وملال کی بات پیش ہی نہیں آئی۔ آنے والی اور ملنے والی عورتوں پر ہرگز کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہ ہونے دو، کوئی تذکرہ بھی کرے تو ہنس کر ٹال دو۔

حاجی صاحب کو ہندوستانی کپڑوں کے بنانے کے لئے مجھ کو لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، تم ہی

ان کو کہلوا دینا اور یہ بھی کہلوا دینا کہ حسین احمد اور اسعد دونوں یہی پسند کرتے ہیں، جیسا دیس ویسا بھیس۔ یہاں رہ کر یہاں کا ہی لباس ہونا چاہئے۔ ایسی بات نہ ہونی چاہئے جس سے ہنسائی کا موقعہ ملے یا کسی کو حرف گیری کی نوبت آئے۔ رشتہ داروں میں مجبوری طور پر تحمل کرنا اور میل جول رکھنا، غصہ اور غم کو تھوک دینا پڑتا ہی ہے۔ رشتہ ناتا خدا نے بنایا ہے، آدمی کے توڑنے سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ ابا، بابا، اماں، بھاوج، بوبو سب سے سلام کہہ دو۔ ارشد، ریحانہ، عتیق، عبید، رشید، بریرہ سب کو دعا و پیار پہنچے۔ (۲۷/رجب الرجب ۶۳ ۱۳ھ بمطابق ۱۸/جولائی ۱۹۴۴ء) (مکتوبات شیخ الاسلامؒ: ج:۴،ص:۳۰۱ تا ۳۰۳)

اس مکتوب کی خوبیوں پر مرتب مکتوبات شیخ الاسلامؒ حضرت مولانا نجم الدین اصلاحیؒ یہ حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس والا نامہ پر حاشیہ لکھنا چاہا، مگر آنکھوں نے مجبور کردیا کہ اس کو اسی طرح رہنے دو، سطر سطر سے عبدیت اور عزیمت کی شان ظاہر ہے۔ اللہ اکبر! تعلیم دی جارہی ہے کہ کوئی تذکرہ بھی کرے تو ہنس کر ٹال دو۔ کیسا نازک موقع ہے اور کتنی نازک پوزیشن ہے اور کون مخاطب ہے، پھر بھی دامانِ خدا ہاتھ ہی کے اندر ہے، ذرا بھی کمزوری نہیں''۔

حضرت آپا جان نور اللہ مرقدہا کے نام حضرت شیخ الاسلامؒ دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''تمہارا خط ۱۷/جولائی کا لکھا ہوا ملا، اسی کے ساتھ مولوی فضل الرحمٰن صاحب کا کارڈ ۱۹/جولائی کا مل گیا کہ مولوی حمید تم سبھوں کو لے کر ڈاک گاڑی سے دیوبند روانہ ہوگئے۔ امید قوی ہے کہ تم سب بخیر وعافیت دیوبند پہنچ گئے ہوں گے اور ہر طرح وہاں اطمینانی صورتیں پائی ہوں گی۔ قاری صاحب کا ۱۹/جولائی کا خط ملا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: بحمد اللہ! مرض میں اب تخفیف ہے، البتہ ضعف بہت زیادہ ہے...... تم کو ۱۵/جولائی پر میرے نہ پہنچنے کا صدمہ نہ کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوکر رہتا ہے، اسی میں خیر ہوگی۔ بندہ کو آقا (اور وہ بھی ایسا کریم ورحیم آقا) کا ہر حکم نہایت خوشی سے ماننا چاہئے، بالخصوص جب کہ ہمارے جیسے ہزاروں آدمی ایسی ہی بلاؤں میں مبتلا ہوں۔ تم اطمینان اور سکون سے وہاں کے کاروبار انجام دو۔ امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ قاری صاحب کو شفاء کامل جلد عطا فرمادے تو وہ فوراً دیوبند پہنچ جائیں گے اور ایسا نہ بھی ہوا تو وہاں مولانا اعزاز علی صاحب، مولوی محمد عثمان صاحب، منشی محمد شفیع صاحب کو تمام کام وہ سپرد کر آئے ہیں۔ یہ سب حضرات نہایت ہمدردی اور خیر خواہی اور جد وجہد سے تمام کام انجام دیں گے۔ اسعد بھی امتحان سے فارغ ہوکر ہر قسم کی خدمات انجام دے گا، تم کو ذرا بھی پریشان نہ ہونا چاہئے۔

تم دریافت کرتی ہو کہ کن خاص عورتوں کو بلاؤں؟ تم کو خود اندازہ ہے، مجھ کو لکھنے کی ضرورت نہیں۔ الغرض جہاں تک ممکن ہو اختصار کے ساتھ اور سادگی سے معاملہ کرو...... را جو پورلے

جانے کے لئے میں کچھ نہیں بتا سکتا، سوائے جوڑوں اور سہاگ پورہ اور زیوروں کے، اور کیا چیزیں جاتی ہیں؟ مجھ کو کچھ معلوم نہیں، وہاں ہی دریافت کرلینا۔ رسمی چیزیں کچھ نہ ہونی چاہئیں، جو امور حاجی صاحب فرمائیں اور مولانا اعزاز علی صاحب کی رائے ہو اس کو کرو، ریحانہ (حضرت شیخ الاسلامؒ کی بڑی صاحب زادی محترمہ، جو حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ و سابق مہتمم مدرسۂ شاہی مرادآباد کے نکاح میں تھیں۔شریفی) اب دیوبند پہنچ کر ہم کو بالکل بھول جائے گی۔ وہاں اس کی دل بستگی کا سامان بہت ہے، اپنی اماں کو کم از کم عید تک ضرور رکھنا۔ آج ۲۹ر جولائی کو بابو اور مولانا عبد المومن صاحب (ابن امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ، مرشدی حضرت مولانا سید ارشد مدنیؒ دامت برکاتہم کے خسر ہیں۔شریفی) تشریف لائے۔ بابو سے یہ معلوم ہوا کہ عقد کے لئے ۱۴، ۱۵ شعبان مقرر ہے۔ امید یہ ہے کہ تم تمام تفصیلی باتیں خط میں لکھوگی۔ بنارس سے خط آیا ہے کہ وہاں سے ۲۳ر جولائی کو کپڑے روانہ ہوگئے۔ ان تھانوں میں سے آدھا آدھا دو جوڑوں کے لئے لے لو، جو کہ اسعد کی بیوی کے لئے بناؤ گی اور آدھا آدھا فرید (حضرت مولانا سید فرید الوحیدیؒ، مصنف: ''مولانا سید حسین احمد مدنیؒ - ایک تاریخی مطالعہ''۔ حضرت مولانا وحید احمد مدنیؒ کے صاحب زادے تھے، حضرت شیخ الاسلامؒ کے پوتے ہوئے، ان کی پرورش حضرت شیخ الاسلامؒ نے کی تھی۔شریفی) کے لئے رکھ لو، اس کی شادی بھی ان شاء اللہ عید کے بعد ہو جائے گی۔ فقط دو دو پٹوں کی کمی رہ جائے گی۔ میں دو جانمازوں کو بنوا کر بو بو بتول اور بو بو حسینہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ اسعد لے جا کر ان کی خدمت میں پیش کردے۔ اپنی اماں سے بہت بہت سلام کہہ دو۔ والسلام''۔

(مکتوباتِ شیخ الاسلامؒ: ج:۴، ص:۳۰۴، ۳۰۵)

حضرت آپا جان رحمۃ اللہ علیہا کے متعلق یہ معلومات حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے مبارک قلم سے تھیں، جن سے گھریلو ماحول کی پاکیزگی اور سیرت کے احوال مل جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے گھر کا دسترخوان بڑا وسیع تھا، اپنے اور پرائے سب اس سے مستفید ہوتے تھے۔ میں اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کروں، ۱۹۸۷ء میں اپنے جد امجد حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ہندوستان گیا، اس سفر میں دار العلوم دیوبند اور بعض اکابر دیوبند کی زیارت نصیب ہوئی۔ میرے مرشد ثانی حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم کے ہاں ''مدنی منزل'' میں قیام ہوا، جیسے ہی دیوبند پہنچے، مدنی منزل حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا کے متعلق ان کے صاحب زادے نے بتایا کہ مظفر نگر ایک طالب علم کے ولیمے میں تشریف لے گئے ہیں، ظہر تک آجائیں گے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا: ٹھیک ہے، ہم ظہر کی نماز کے بعد

آ جائیں گے۔ انہوں نے جا کر گھر میں حضرت پیرانی صاحبہ آپا جانؒ کو بتایا، انہوں نے کہلوایا کہ آپ بغیر کھانا کھائے نہیں جا سکتے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے ہم سے فرمایا: حضرت پیرانی صاحبہ کا حکم ماننا پڑے گا، اس لئے بیٹھ جاؤ۔ چند ہی منٹ میں دسترخوان لگ گیا اور ہم نے کھانا کھایا۔ حضرت قاری صاحبؒ نے ہمیں بتایا کہ حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے زمانے میں بھی بالکل اسی طرح کھانا آتا تھا اور دسترخوان لگنے کا یہی طریقہ تھا۔ فرق اتنا ہے کہ آج حضرت مدنیؒ اس دسترخوان پر نہیں ہیں۔

خاص بات یہ ہے کہ ہم سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ کیا کام ہے؟ بس! کھانا کھا کے جائیں۔ اس طرح مجھے یہ سعادت اور نعمت نصیب ہوئی کہ اس گھر کا نمک کھایا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے متوسلین اور سلسلۂ مدنی کے منتسبین کے لئے بڑے رنج وغم کا موقع ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی اہلیہ محترمہ (جو حضرت مدنیؒ کی چوتھی زوجہ تھیں) حضرت آپا جان ۱۳/ اور ۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ/۴، ۵/ جولائی ۲۰۱۲ء کی درمیانی شب اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون!** حضرت مرحومہ کی جدائی جہاں خاندانِ مدنی کے لئے عظیم حادثہ ہے، وہیں ہمارے لئے بھی غم کا باعث ہے۔ گو کہ خاندان مدنی کو حضرت شیخ الاسلامؒ سے ورثے میں یہ بھی ملا ہے، جسے حضرت مولانا سید فرید الوحیدیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''حضرتؒ کی زندگی میں نہ مسرت کی کوئی قیمت تھی اور نہ صدمے کی کوئی اہمیت تھی۔ کوئی بھی حالت ہو ان کے شب روز یکساں صبر وشکر اور وقار کے ساتھ گزرتے تھے''۔ (شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ - ایک تاریخی مطالعہ، ص: ۴۲۶، مطبوعہ ملتان، ۲۰۰۵ء)

راقم الحروف نے مرشدی حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم (صدر جمعیت علمائے ہند) کو تعزیت کے لئے فون کیا تو درج بالا صفت پر کامل عامل پایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا مدظلہم، صاحبزادۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسجد مدنی مدظلہم اور خاندان مدنی کے دیگر اکابر واصاغر کو صبر جمیل عطا فرمائے، حضرت آپا جانؒ کی کامل مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے، آمین!

دار العلوم دیوبند میں سالانہ امتحان ہو رہے تھے، اس وجہ سے خاندان مدنی کے اکابر نے فیصلہ کیا کہ گیارہ بجے پرچہ ختم ہوگا تو فوراً احاطہ مونسیری دار العلوم دیوبند میں جنازہ ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساڑھے گیارہ بجے دن جانشین حضرت شیخ الاسلامؒ و جانشین حضرت فدائے ملتؒ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم نے نماز جنازہ پڑھایا۔ ہزارہا افراد اس میں شریک تھے۔ اس کے بعد قبرستانِ قاسمی میں حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی قدس سرہ کی پائینتی میں تدفین عمل میں آئی۔ شام کو دار العلوم میں تعزیتی اجتماع مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا ابو

القاسم نعمانی مدظلہ کی صدارت میں ہوا، اورتعزیتی تقاریر ہوئیں۔ حضرت آپا جانؒ کےبطن سے حضرت شیخ الاسلامؒ کے صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کی تفصیل اس طرح ہے:

۱......حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم: آپ ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں تعلیمی مراحل شروع ہوئے۔۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی۔۱۹۶۵ء میں جامعہ قاسمیہ گیا میں تدریس شروع کی۔۱۹۶۷ء میں مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، چودہ ماہ وہاں قیام رہا اور پھر واپس تشریف لائے۔۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء میں مدرسۂ شاہی مرادآبادی میں خدمت تدریس پر مامور ہوئے۔دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ کے بعد دارالعلوم کی طلب پر ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں دارالعلوم کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور احادیث مبارکہ کے اسباق سپرد ہوئے۔ ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک اور پھر ۱۹۹۶ء سے ۲۰۱۰ء تک ناظم تعلیمات بھی رہے۔حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ان کی وفات کے بعد ۲۸ رفروری ۲۰۰۶ء کو جمعیت علماء ہند کا صدر آپ کو منتخب کیا گیا اور تا حال اسی منصب پر فائز ہیں۔ جون ۲۰۱۲ء میں رابطہ عالم اسلامی کے تاحیات رکن منتخب ہوئے۔اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ عافیت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھےاور حاسدوں کے حسد سے محفوظ رکھے۔آمین

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم کے چھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں۔

۲......حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدظلہم، فاضل دیوبند ہیں، تصوف میں اپنے برادر اکبر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے تربیت حاصل کی، جھاڑکھنڈ میں کئی مدارس آپ کی زیر نگرانی چل رہے ہیں،اس کے علاوہ مولانا مدنی ایجوکیشنل ٹرسٹ کے تحت رفاہی امور انجام دے رہے ہیں۔جمعیت علمائے ہند کے ناظم بھی رہے اور فعال رہنما ہیں۔حفظہم اللہ تعالیٰ۔

۳......صاحب زادی عمرانہ مدظلہا (زوجہ جناب مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ)

۴......صاحب زادی صفوانہ مدظلہا (زوجہ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب)

۵......صاحب زادی فرحانہ مدظلہا۔

حضرت آپا جانؒ کی سن پیدائش ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء ہے،اس طرح ایک سو ایک سال عمر پائی۔

اسکائی ایمس "SKYAIMS" کمپنی سے معاملات

مولانا عبدالحمید

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

پاکستان میں ۳راگست ۲۰۰۹ء کو ایک کمپنی کی ابتداء ہوئی جس کا نام "SKYAIMS" ہے۔ "SKYAIMS" ایک ڈائریکٹ مارکیٹنگ کمپنی ہے جو کوسمیٹکس، پرفیومز اور ہیلتھ پروڈکٹس سیل کرتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ میں اس کمپنی کا کسٹمر ہوں، یعنی میں نے اس کمپنی کی پروڈکٹس کی خریداری کی ہے، جو کہ ''ایلوویرا جوس'' ہے اور کئی امراض میں صحت کے لئے مفید ہے۔ اس کمپنی سے جو کوئی بھی ۲رعدد جوس خریدتا ہے تو کمپنی اس کسٹمر کو ایک بزنس بھی فراہم کرتی ہے۔ بغیر خریداری کے بھی یہ بزنس مل سکتا ہے، بجائے خود خریداری کرنے کے آگے کسی اور کو کسٹمر بنا کر اس بزنس میں کوئی بھی شامل ہوسکتا ہے۔ کمپنی اپنے کسٹمر کو ایک Right-Left ایجنسی دیتی ہے جس میں کمپنی کی طرف سے یہ پیشکش ہوتی ہے کہ یہ کسٹمر مزید آگے اس کمپنی کی پروڈکٹس کے خریدار تیار کرے، جس کے عوض اس کو کمیشن دیا جاتا ہے۔ ہر ایک کسٹمر بنانے کے عوض کمپنی اپنے Distributur کو ۵۰۰ روپے بطور سپریم کمیشن دیتی ہے، اس طرح ۱۰ کسٹمر بنانے پر ۵۰۰۰ اور ۵۰ کسٹمرز بنانے پر ۲۵۰۰۰ روپے بطور سپریم کمیشن دیتی ہے۔

اس کے علاوہ کمپنی کی طرف سے یہ بھی پیشکش ہوتی ہے کہ اگر ایک کسٹمر Right پر اور ایک Left پر رجسٹر کروایا جائے تو ایک یونٹ مکمل ہوجائے گا اور ہر یونٹ کے عوض یونٹ کمیشن ۴۰۰ روپے بھی دیا جائے گا۔ اگر اس طرح نہ کیا جائے، بلکہ ایک ہی طرف رجسٹرڈ کرواتے جائیں تو پھر یونٹ کمیشن نہیں ملے گا، البتہ وہ پہلا والا سپریم کمیشن بدستور ملے گا جو کہ کسٹمر کے عوض ۵۰۰ روپے ہے۔

چونکہ اس کمپنی کی پروڈکٹس کے کسٹمر تیار کرنے کے لئے ہمیں اپنا وقت لگانا پڑتا ہے، اپنی گاڑی اور اپنا فون وغیرہ استعمال کرنا ہوتا ہے، اس کے بعد خریدار تیار ہوتا ہے۔ جو کسٹمر ہماری اپنی محنت سے تیار

ہوتا ہے، ہمیں اس پر کمیشن ملتا ہے۔ اگر ہمارے رجسٹرڈ کسٹمر آگے خود صرف اپنی محنت سے کسٹمر تیار کریں تو کمیشن صرف انہی کا حق ہے، ہمارا نہیں۔ اگر ہم اور ہمارے رجسٹرڈ کسٹمر دونوں کی مشترکہ محنت سے کوئی کسٹمر تیار ہو تو کمیشن ہم دونوں کو ملتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں اس کمپنی کا خریدار بن کر اس کی پروڈکٹس استعمال کرنا چاہتا ہوں، نیز اس کا ایجنٹ بن کر اپنی محنت کے عوض کمپنی سے کمیشن لینا چاہتا ہوں تو میرا یہ کمیشن لینا کیسا ہے؟ شرعی اعتبار سے مجھ کو اجازت حاصل ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

مستفتی: امیر معاویہ، لاہور

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورتِ مسئولہ میں جس کمپنی (SKYAIMS) کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، اس کے طریق کار کو دیکھنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ کمپنی کے ساتھ معاملہ کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ:

۱......اس میں ''جوا'' کی صورت پائی جاتی ہے، اس طور پر کہ مذکورہ کمپنی اور اس جیسی دیگر کمپنیاں اپنی مصنوعات کو بازاری قیمت سے مہنگے داموں پر فروخت کے لئے پیش کرتی ہیں اور لوگ کمیشن کے حصول کے لئے ان مصنوعات کو خرید لیتے ہیں۔ اب اگر کوئی ممبر بنانے میں کامیاب ہوا تو کمیشن کی صورت میں اپنی زائد رقم وصول کر سکے گا، ورنہ بازاری قیمت سے زائد رقم ڈوب جائے گی اور رقم کو اس طرح کسی کام پر معلق کرنا کہ اس کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو، اسی کو ''جوا'' کہتے ہیں۔ ''احکام القرآن'' میں ہے:

''قال قوم من أهل العلم: القمار كله من الميسر وحقيقته تمليك المال على المخاطرة وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار''. (ج:۲، ص:۴۶۵، ط:قديمی)

۲......کمپنی کا اصل مقصد اپنی مصنوعات کی فروخت نہیں ہوتا، بلکہ محض سرمائے کی گردش ہوتی ہے، اس لئے اگر کوئی ممبر بنے بغیر مصنوعات خریدنا چاہے تو اسے یہ مصنوعات فروخت نہیں کی جاتیں۔

۳......اس کاروبار میں جو بنیادی چیز ہے وہ کمیشن ہے، گویا کمیشن کو ان اداروں میں مستقل تجارتی اور کاروباری شکل دے دی گئی ہے، جبکہ اسلامی معیشت کے اصولوں کی رو سے کمیشن کو مستقل تجارتی حیثیت حاصل نہیں، بلکہ فقہاء نے دلالی کے معاوضہ یعنی کمیشن کو اجارہ کے اصول وضوابط سے منحرف ہونے اور جسمانی محنت کے غالب عنصر سے خالی ہونے کی بنا پر اصولاً ناجائز قرار دیا ہے، البتہ کثرت تعامل کی وجہ سے کمیشن کی محدود گنجائش دی ہے، لیکن ساتھ ہی فقہاء نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ جواز کا قول اختیار

کرنے کے باوجود دلالی کی اکثر صورتیں ناجائز ہی ہوا کرتی ہیں۔ ''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

''تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها (أى الإجارة) كجهالة ماجور أو أجرة أو مدة أو عمل". (قال الشامى) إلا فيمااستثنىٰ، قال فى البزازية: إجارة السمسار...... ومالايقدر فيه الوقت والعمل تجوز لما كان الناس به حاجة". (٦/ ٤٦، ٤٧، ط:سعيد) **"وفيه" أيضاً: "قال فى التاتارخانية: وفى الدلال والسمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليه إن كافى كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم. وفى الحاوى سئل محمد بن سلمة عن أجر السمسار فقال: أرجو أنه لابأس به وإن كان فى الأصل فاسداً لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز فجوزوه لحاجة الناس إليه".** (٦/ ٦٣، ط:سعيد)

"إعلاء السنن" میں ہے۔

"والحاصل أن أجر السمسار ضربان: إجارة وجعالة فالأول يكون مدة معلومة يجتهد فيها للبيع وهذا جائز بلاخلاف............ والجعالة لايضرب فيها أجل ولا يستحق فيها شيئاً إلابتمام العمل وهى فاسدة عندنا لجهالة العمل والأجر معاًمرّةً وجهالة أحدهما أخرى". (١٦/ ٢٠١، ط:ادارة القرآن)

لہٰذا مذکورہ کمپنی کے ساتھ اس کا ممبر بن کر کمیشن لینا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد شفیق عارف	عبد الحمید

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ام العلوم کے خواہشمند حضرات کیلئے عظیم خوشخبری
الصرف الواضح
(حصہ اول)
الصرف الواضح
(حصہ دوم)
الصرف الواضح
(حصہ سوم)
الصرف الواضح
(حصہ چہارم)
الصرف الواضح
(حصہ پنجم)
الصرف الواضح
(حصہ ششم)
احمد عفی عنہ
چھپ کر منظر عام پر آگئی
تالیف: حضرت مولانا قاری احمد صاحب مدظلہ العالی (بانی و مہتمم مدرسۃ فیوض الحرمین الشریفین)
الصرف الواضح کی چیدہ چیدہ خصوصیات
علم الصرف میں تحریری اجراء کا جدید انداز میں ایک حسین تحفہ
جس میں عصر جدید کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اجراء کا آسان اور مؤثر طریقہ اپنایا گیا ہے۔
جس میں جدید اسلوب اور منفرد خصوصیات بحیثیت عصر حاضر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگی ہے۔
جس میں اساتذہ حضرات کیلئے تعلیم علم صرف کا بنیادی اور آسان کلیدی انداز پیش کر دیا گیا ہے۔
طالبان علوم دینیہ اور عصریہ کیلئے یکساں مفید ہے۔
website: www.minbarmihrab.com.pk
نشریاتی ادارہ:

خوشخبری

طلبہ وطالبات کے لیے یکساں مفید
مستند شروحات بخاری کا نچوڑ

طالباتِ صحیح بخاری کا نصاب جلد اوّل

کتاب الجہاد والسیر تا آخر (بدء الخلق، کتاب الانبیاء، المناقب، فضائل الصحابہ، بنیان الکعبہ)

تحفۃ القاری

بحلّ ما فی صحیح البخاری

جلد اوّل - جلد دوم - جلد سوم

محمّد یوسف مدنی

خادم الحدیث النبوی بالجامعۃ معہد الخلیل الاسلامی

تقریظاتِ اکابر

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
صدر جامعہ دار العلوم کراچی

یادگارِ اسلاف، اُستاذ العلماء، شیخ المحدثین
حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہم

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب مدظلہم
رئیس جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

خصوصیات: معرب متن، سلیس ترجمہ، الفاظ مشکلہ کی توضیح نفسِ حدیث کے حل پر خصوصی توجہ، تراجمِ بخاری پر پُر مغز کلام، ضروری متعلقہ مسائل وفوائد کی وضاحت

ناشر

مکتبۃ الشیخ

۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی نمبر ۵۔
فون: 021-34935493

طبی کورسز

آج بے شمار ڈاکٹرز، حکماء اور مختلف ادویہ ساز ادارے مختلف طبی کورسز مشتہر کررہے ہیں، لیکن استعمال کرنے پر یا تو مرض وقتی طور پر دب جاتا ہے، یا مرض نہ صرف پہلے سے بڑھ جاتا ہے، بلکہ ساتھ اور علامات بھی واضح ہوجاتی ہیں، چنانچہ میں نے اپنے ۴۰ سالہ طبی کیریئر میں لاکھوں مریضوں پر آزمانے کے بعد ۱۰۰ فیصد کامیاب طبی کورسز تیار کئے ہیں اور ساتھ ہی ان چار چیزوں کی گارنٹی دیتا ہوں: (۱) ان میں کوئی نشہ آور دوائی نہیں ہے (۲) ان میں کوئی زہریلی دوائی نہیں ہے (۳) ان میں کوئی کشتہ شدہ دوائی نہیں ہے (۴) ان میں کوئی ایلوپیتھک دوائی نہیں ہے۔ جس لیبارٹری سے چاہیں چیک کروالیں۔

میرا طبی پس منظر یہ ہے کہ میں فاضل الطب والجراحت رجسٹرڈ درجہ اول ہوں، دوا یوارڈ ایک گولڈ میڈل لے چکا ہوں، طبیہ کالج کا سابقہ لیکچرار ہوں۔ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت چالیس سالہ تجربہ ہے۔ ادویہ ساز اداروں کا ناظم اعلیٰ اور مختلف مطبوں اور مختلف اجتماعات پر بطور حکیم لاکھوں مریضوں کا علاج کرچکا ہوں۔

ہمارے پندرہ روزہ کورسز اور ان کی قیمتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ ذُبلا پن ۱۰۰۰	۷۔ ہائی بلڈ پریشر۔۲۰۰۰	۱۳۔ سوزاک ۔۲۰۰۰	۱۹۔ کیرا ۳۰۰۰	۲۵۔ یرقان ـــ۵۰۰۰
۲۔ موٹاپا ---۱۰۰۰	۸۔ شوگر ---۱۰۰۰	۱۴۔ جریان ـــ۳۰۰۰	۲۰۔ بواسیر ---۳۰۰۰	۲۶۔ جنون ـــ۵۰۰۰
۳۔ احتباس الطمث۔۲۰۰۰	۹۔ کثرت الطمث۔۱۰۰۰	۱۵۔ عسرت الطمث ۱۰۰۰	۲۱۔ بے اولادی زنانہ ـــ۳۰۰۰	۲۷۔ بے اولادی مردانہ۔۳۰۰۰
۴۔ اٹھرا ---۳۰۰۰	۱۰۔ السر ---۲۰۰۰	۱۶۔ احتلام ـــ۳۰۰۰	۲۲۔ اعصابی کمزوری۔۵۰۰۰	۲۸۔ کمی سپرم ۔۱۰۰۰۰
۵۔ پتھری ـــ۱۰۰۰	۱۱۔ دق الطفال ـــ۱۰۰۰	۱۷۔ سرعت انزال ـــ۳۰۰۰	۲۳۔ اوجائی ۔۱۰۰۰	۲۹۔ لیکوریا ---۱۰۰۰
۶۔ دمہ ---۱۰۰۰	۱۲۔ تبخیر معدہ ۔[illegible]۰۰	۱۸۔ اسقاطِ حمل ۲۰۰۰	۲۴۔ تیزابیت ۔[illegible]	۳۰۔ تپ دق ۔۳۰۰۰
۳۱۔ رسولیاں ـــ۳۰۰۰	۳۲۔ رعشہ ـــ۳۰۰۰	۳۳۔ برص ـــ۳۰۰۰		

نوٹ: (۱) دوائی یا کورس بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رقم پہلے بھیجیں۔
(۲) ملاقات کرنے کے لئے فون پر پہلے وقت لے لیں۔
شناختی کارڈ نمبر: ۳-۵۷۸۶۶۱۴-۳۵۱۰۳

حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی
لاہور ملتان روڈ، حبیب آباد ضلع قصور
فون: ۰۳۴۵-۷۵۴۵۱۱۹، ۰۳۱۳-۷۵۴۵۱۱۹